بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

حیاتِ نورالدین اعظم رضؓ

ملنے کا پتہ:- ابو الفضل محمود، قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

(نیکی اور تقویٰ کے کام میں باہمی امداد ضروری ہے اس لئے کرو)

مکرمی .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب کو معلوم ہوگا کہ میں کئی سال سے اشاعتِ کتب و اشتہارات حضرت مسیح موعودؑ میں مشغول ہوں اور تمام جماعت کی طرف سے اس قسم کی تبلیغ کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ میرا کام صرف چھپوا کر دیدینا ہے اور آپکا کام ہے میری مدد کرنا اور خریدنا اور دوستوں میں اسے تقسیم کرنا۔ پس میں تو اپنے کام میں اب تک سست نہیں ہوا نہ تھکا سو آپ بھی اپنے حصہ کام میں چست اور مستعد ہو جائیں اور حسب ذیل امور کی طرف توجہ فرمائیں:-

۱۔ جن احباب جماعت کے ذمہ بقایا ہے وہ اس ماہ کے چندہ کے ساتھ اُسے ادا کریں۔

۲۔ جن احباب نے ماہوار چندہ مقرر کر رکھا ہے وہ محاسب کے نام اُسے دیگر چندوں کے ساتھ بھیجدیں۔

۳۔ جن احباب کو کوئی خوشی کی تقریب میسر آئے یا فرشتہ یکدم نیکی اور خیرات کی تحریک کرے وہ یکمشت فوراً میرے نام بمعرفت محاسب مقامی کے رقم ارسال کر کے مشکور فرمائیں۔

۴۔ جن احباب نے کسی قسم کی اعانت اب تک کی ہے اُن کا شکریہ۔ اور جنہوں نے اب تک کچھ نہیں کیا وہ آئندہ کیلئے وعدہ کریں اور کم از کم رقم بھی اس راہ میں کام آسکتی ہے شرم نہ کریں خواہ ایک پیسہ ہی کی توفیق ہو وہی ادا کرتے رہیں یا وہ ہانی کی ضرورت نہ سمجھیں۔ کیونکہ مجھے اشاعت کیلئے ہر وقت روپے کی ضرورت رہتی ہے دعا فرمائیں برکت پر برکت ہو۔

یاد رکھیں کہ آگے ایسا زمانہ آرہا ہے جب لوگ لاکھوں روپیہ اس کام کیلئے خرچ کریں گے اور تھوڑی رقوم کو کوئی پوچھے گا بھی نہیں اُس وقت ثواب حاصل کرنا بہت مشکل ہوگا اور مقابلہ اور کمپٹیشن شروع ہو جائیگا سو اس مبارک زمانہ میں جو وہ بھی حضرت مسیح موعودؑ ہی کا اپنا زمانہ ہے کچھ کام کر کے اور کچھ خرچ کر کے خدا تعالیٰ کے روبرو سرخرو ہو جاؤ۔

مہربانی فرما کر یہ خط ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو اپنی جماعت و احباب کے سامنے پیش کر دیں اور خود بھی نمونہ بنیں اور دوسروں کو بھی تحریک کر کے ماجور ہوں اور دعا سے بھی میری مدد کرتے رہیں۔ والسلام

واضح ہو کہ تمام احباب کی خدمت میں اس چٹھی کے ذریعہ حاضر ہوتا ہوں }
مجھے فرصت ملی تو اشاعت کے کام کو دنیا بھر میں پھیلانے کی خاطر سب کے پاس پہنچونگا }
ابوالفضل محمود، قادیان (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　　　　　　　　　　　　　　　نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت امیر المومنین سیدنا نور الدین رضی اللہ عنہ

یہ انسانی فطرت ہے کہ جن لوگوں کے نام شہرت تام رکھتے ہیں انکے حالاتِ زندگی تفصیلی طور پر معلوم کرنیکی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ہم جس آسمانی انسان کی خود نوشت سوانحعمری پیش کر رہے ہیں۔ وہ اگرچہ زمین پر رہتا تھا مگر اس کا تعلق آسمان سے ایک لحظہ کے لئے بھی منقطع نہ ہوتا تھا۔ اسکی زندگی اور موت دونوں مبارک تھیں سب سے مبارک دن جمعہ کا دن ہے۔ پھر جمعہ کے دن سب سے مبارک گھڑی جمعہ کی نماز کا وقت ہے۔ اللہ کا پیارا۔ رسولِ پاک کا محبوب۔ عمر کا فرزند۔ مسیح موعود کا جانشین۔ صدیق ثانی۔ سیدنا حافظ حاجی مولنٰا نور الدین رضی اللہ عنہٗ ۱۳؍ مارچ ۱۹۱۴ء بروز جمعہ ۲ بجکر ۲ منٹ پر عین حالتِ نماز میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ وفات کے بعد بہت مبارک جگہ پائی یعنی۔ ۱۴؍ مارچ بعد نماز عصر آپکی نعش مبارک مقبرہ بہشتی میں اپنے محبوب اور پیارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے داہنے ہاتھ سپرد خاک کی گئی ؎

اس عظیم الشان انسان کا ایثار۔ اس کا جود و کرم۔ اس کا عشق قرآن۔ اسکی محبت رسولؐ۔ اس کا تبحر علمی۔ اسکی سخاوت اپنی نظیر آپ تھے۔ ہندو سکھ عیسائی مسلمان سب اسکے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔ وہ ہر انسان کے لئے چشمہ رحمت تھا۔ چھوٹا بڑا۔ امیر و غریب وہ سب کا خیر خواہ تھا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ فوت ہوئے میری عمر چھوٹی تھی مگر اس عظیم الشان انسان کی پاکیزہ اور بارعب شباہت جو اسکے غیر معمولی کیرکٹر کی آئینہ دار تھی اب تک میرے سامنے ہے اور میری یادداشتوں کا ایک قیمتی سرمایہ۔ اسکی پاک مجلس کا نقشہ۔ اس کا فیضِ عام مطب۔ اسکا درس

درس قرآن۔ اسکی بوریئے پر بیٹھک۔ اُن سب پاک مجلسوں کے نقوش میرے ذہن میں موجود ہیں +

مرض الموت میں طبیبوں نے روکا کر طبیعت پر اس قدر بوجھ ڈالنا مناسب نہیں۔ فرمایا قرآن تو نورالدین کی غذا ہے۔ اسکو چلتے پھرتے۔ لیٹتے بیٹھتے ہر گھڑی خدا اور اسکے رسول کی محبت کا جام ہر وقت اسے سرشار رکھتا تھا۔ خدا کا ذکر اسکی غذا تھی اور اسکی کتاب کی آیات میں اسے دلربا خط و خال نظر آتے تھے۔ درس قرآن سے آپ کبھی نہ تھکتے تھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں درس قرآن کریم کے لئے مسجد تشریف لیجاتے تو واپسی پر اسقدر نقاہت ہو جاتی تھی کہ بعض اوقات چارپائی پر اٹھا کر لائے جاتے تھے۔ جب آپ اسقدر کمزور تھے کہ خود پہلو بھی نہ بدل سکتے تھے اسوقت بھی قرآن کریم پڑھتے اور سنتے جب رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی ختم قرآن کی بشارت آگئی۔ اور الہام ہوا۔ "خلیفۃ المسیح کو ختم قرآن مبارک ہو"

جو خود نوشت سوانح حیات پیش کیجا رہی ہے اس سے آپکو حضور کی زندگی کی مندرجہ ذیل خصوصیات بہت نمایاں طور پر نظر آئینگی

"حضور کا خدا پر کامل بھروسہ۔ تدین اور توکل۔ وسعت قلبی۔ موقعہ شناسی۔ حسن جواب۔ حسن تبلیغ۔ کشادہ دلی اور حاضر جوابی۔ یہ باتیں اور یہ اوصاف وہ ہیں جو بعض ہی کا حصہ ہوتے ہیں ع این سعادت بزور بازو نیست

یہ سوانح حیات جس کا تیسرا ایڈیشن مولوی ابوالفضل صاحب محمود شائع کر رہے ہے اسقدر دلچسپ ہے کہ ایکدفعہ شروع کر کے ختم کئے بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اسے پڑھئے اور بار بار پڑھئے۔ اسے مشعلِ راہ بنایئے اس سے آپکو روحانی بصیرت حاصل ہوگی۔ اور آپکی زندگی سنور جائیگی۔ مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی مرحوم کے اصرار پر حضور نے یہ حالات زندگی انہیں لکھوائے۔ مولوی صاحب مرحوم اکثر وقت حضور کی مجلس میں بیٹھے رہتے اس پاک مجلس میں جس میں کبھی درس قرآن ہوتا اور کبھی درس حدیث۔ کبھی طب پڑھائی جاتی۔ اور کبھی مریضوں کے لئے نسخے لکھے جاتے۔ ایسے مصروف اوقات میں گاہے گاہے ایک امیدوار کو دیکھ کر فرماتے اچھا میاں تم بھی کچھ لکھ لو۔ حافظہ کا یہ حال تھا کہ کبھی یہ نہیں پوچھا کہ کل فقرہ کہاں ختم کیا تھا۔ اس کتاب میں قادیان کی آمد تک کے حالات حضور کے اپنے لکھوائے ہوئے ہیں۔ قادیان کی زندگی کے مختصر حالات حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے تحریر فرمائے ہیں خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے کہ وہ حضور کی سوانحعمری کو مکمل کر دے ؎ خلق زباں بہ دعوئ عشقش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نور یقیں بودے

(مسیح موعود علیہ السلام)

حیاتِ نور الدین رح

طفلی و عنفوانِ شباب

سنہ [illegible] ہجری یا ۱۸[illegible]ء یا سمت [illegible]۹ بکرمی کے قریب میرا تولد کا زمانہ ہے سات ایس بینے اپنی ماں کی گود میں قرآن کریم پڑھا ہے اور انہیں سے پنجابی زبان میں فقہ کی کتابیں پڑھیں اور سُنیں کچھ حصہ قرآن شریف کا والد صاحب سے بھی پڑھا مگر وہ عدیم الفرصت تھے پھر مجھے بسبب ان تعلقات کے جو لاہور سے تھے اور وہ یہ تھے کہ ہمارا ایک مطبع قادری نام کابلی مل کی حویلی میں تھا۔ سنہ [illegible] ہجری کے قریب لاہور میں آنا پڑا یہاں آکر مجھے خناق کا مرض ہوا اور حکیم غلام دستگیر لاہوری ساکن سید مٹھا جن کا تعلق میرے بھائیوں سے بہت تھا اور میرے بھائی طب میں ان کے شاگرد تھے۔ میرا علاج کرتے تھے اس وقت اگرچہ طبی تعلیم کی تحریک میرے دل میں پیدا ہوئی مگر میرے بھائی صاحب نے مجھے منشی محمد قاسم کشمیری کے پاس فارسی کی تکمیل کے لئے سپرد کیا۔ انھوں نے مجھ پر بہت محنت کی۔ بڑی مہربانی

سے رزم اور بزم اور بہاریہ مضامین لکھ دیتے۔ اور مجھ سے لکھواتے۔ میرزا امام ویردی کے سپرد اس لئے کیا کہ میں خوشخطی سیکھوں مگر مجھ کو فارسی زبان سے کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی اور میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ایک بڑا وقت ایسی زبان کے سیکھنے میں خرچ کرنا پڑا جس کے ساتھ بلحاظ دین اور ضرورتِ سلطنت مجھ کو کچھ بھی دلچسپی نہ تھی۔ مگر اس میں میرے بھائیوں کا بھی قصور نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس وقت کی موجودہ حالت کسی جدید تحریک کا باعث بن ہی نہیں سکتی تھی خوشخطی کے لئے ا۔ب۔ج۔ و۔ق لکھنا مہینوں کا سفر تھا۔ اور چونکہ میرے دماغ کو ہاتھ سے کسب کرنے کی بناوٹ نہیں بخشی گئی تھی میں اس فن سے بھی کورا کا کورا رہا۔ رسائل طغراء کے عجیب در عجیب نکات اور امام ویردی صاحب کے بے نظیر قطعات اس عمر میں میری دلچسپی کا باعث نہ تھے۔ مرزا امام ویردی صاحب مُہر کنی کے کسب میں بھی کمال رکھتے تھے مگر مجھے اس سے بھی محروم رہنا پڑا۔ یہ میرے دونوں استاد شیعہ مذہب کے پابند تھے مگر مباحثات سے ان دونوں بزرگوں کا تعلق کم تھا مجھے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شیعہ مذہب سے میں آگاہ ہو گیا۔ پس اس محنت کا اگر کوئی نتیجہ سمجھا جائے تو صرف یہ تھا کہ میرے معلومات میں شیعہ مذہب کے جاننے کی ترقی ہوئی۔ اس زمانہ میں حکیم اسعد دین لاہوری سے نیاز حاصل ہوا مگر فارسی اور خوشخطی کے شغل نے موقعہ نہ دیا کہ کوئی استفادہ حاصل کرتا۔ ۱۲۷۲ھ ہجری میں مجھ کو وطن آنا پڑا۔ اور میاں حاجی شرف الدین فارسی کے استاد مقرر کئے گئے مگر دلچسپی کے نہ ہونے نے یہ فائدہ پہنچایا کہ مجھے سبق یاد کرنے کی محنت سے بچا لیا اور میرے قویٰ خوب مضبوط رہے۔ غالباً اسوقت کوئی محنت کا علم پڑھتا تو میرے دماغ کو تکلیف ہوتی اس لئے اس کا بھی شکریہ ہی ادا کرتا ہوں تھوڑے عرصہ کے بعد میرے بھائی سلطان احمد صاحب بھیرہ

میں تشریف لائے۔ اور انھوں نے باضابطہ عربی کی تعلیم دینی شروع کی۔ خدا تعالیٰ
اُن کا بھلا کرے کہ انھوں نے صرف میں بتاؤں، اور تعلیلات کا گورکھ دھندا
میرے آگے نہ رکھا۔ بہت سادہ طور پر تعلیم شروع کی۔ جو میرے لئے مفید اور
دلچسپ ثابت ہوئی۔ میں نے بہت ہی جلد یہ رسائل پڑھ لئے۔ جناب الٰہی کے انعامات
میں سے یہ بات تھی کہ ایک شخص غدر میں کلکتہ کے تاجر کتب جو مجاہدین کے پاس
اس زمانہ میں روپیہ لے جایا کرتے تھے۔ ہمارے مکان میں اُترے انھوں نے
ترجمہ قرآن کی طرف یا یہ کہنا چاہیئے کہ اس گراں بہا جواہرات کی کان کی طرف مجھے
متوجہ کیا جس کے باعث میں اس بڑھاپے میں نہایت شادمانہ زندگی بسر کرتا
ہوں وذٰلک فضل اللہ علینا وعلی الناس واکثر الناس لایعلمون
یہ تو کلکتہ کے تاجر سے فائدہ ہوا۔ پھر ایک بمبئی سے تاجر آیا جس نے
تقویۃ الایمان اور مشارق الانوار کی سفارش کی کہ میں ان دونوں کتابوں کو
پڑھوں۔ اردو زبان مجھے نہایت پسند تھی اور میری دل لگی کا موجب۔ اس لئے
میں نے ان دونوں کو خوب پڑھا اور تھوڑے دنوں کے بعد لاہور آگیا۔ عربی تو پڑھنا
ہی تھا۔ حکیم الہ دین صاحب لاہوری مقیم گمٹی بازار میرے اُستاد مقرر ہوئے اور
وہ مجھے موجز پڑھانے لگے عربی عبارت نہایت صحیح پڑھانا اور تلفظ میں بڑی احتیاط
کرنا یہ ان کو ہمیشہ مدنظر تھا۔ چند روز کے بعد مجھ کو بھیرہ آنا پڑا اور اس دلچسپ
علم کے درس سے محروم ہوا یہاں سے ایک خاص تقریب کے باعث مجھے
راولپنڈی جانا پڑا اور نارمل سکول کی تعلیم میرے ذمہ لگائی گئی غالباً یہ ۵۸ء کا
ذکر ہے۔ میری عمر اس وقت اٹھارہ برس کے قریب ہو چکی تھی منشی محمد قاسم
صاحب کی تعلیم کی قدر اس وقت معلوم ہوئی کیونکہ نارمل سکول میں نثر ظہوری
اور ابوالفضل کے پڑھنے میں میں مدرسہ میں طلباء کا سرتاج تھا۔ مولوی سکندر علی

نام ہیڈ ماسٹر اتنے خوش ہوئے کہ میری حاضری کو بھی معاف کر دیا اس غیر حاضری
میں مجھ کو یہ فائدہ ہوا کہ حساب اور جغرافیہ پڑھنے کے لئے میں نے ایک آدمی کو نوکر رکھ
لیا۔ اور بجائے اس ذہاب و ایاب کے جو مدرسہ کے جانے میں ہوتا تھا میرا وقت
اقلیدس اور حساب اور جغرافیہ کے لئے مفت بچ جاتا تھا کیونکہ نارمل سکول
ہمارے مکان سے دو تین میل پر تھا۔ تقسیم کسور مرکب کے لئے میں نے شیخ غلام نبی
صاحب ہیڈ ماسٹر لون میانی کو ٹھیکہ دار بنایا۔ اور وہی میں نے سب سے پہلے سیکھنی
چاہی اس کا سیکھنا تھا کہ سارے مبادی الحساب ہر چہار حصص کے پڑھانے میں
آخر کو ہم شیخ صاحب کے بھی اُستاد ہو گئے۔ اقلیدس کے لئے منشی نہال چند
ساکن ضلع شاہ پور کو منتخب کیا۔ انھوں نے مجھے نہایت محبت سے پہلے مقالہ
کی چند شکلیں پڑھائیں پھر مجھ میں محض خدا تعالےٰ کے فضل سے سارے تعلیمی حصہ
کو خود بخود پڑھنے کا فہم پیدا ہو گیا۔ اور میں ایک امتحان میں جس کو تحصیلی امتحان
کہتے تھے ایسا کامیاب ہوا کہ پنڈ دادنخان کا ہیڈ ماسٹر ہو گیا۔ منشی محمد قاسم
صاحب کی تعلیم اس وقت میرے لئے بڑی مفید ہوئی کیونکہ پنڈ دادنخاں میں
فارسی مدرس میری مخالفت کے لئے اپنے شاگردوں کو امتحاناً بھیجا کرتے
تھے۔ اور وہ فارسی کی معمولی باتوں کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھ کر مجھ سے
پوچھتے تھے اور میں خوش ہوتا تھا۔ عربی کی تعلیم میرے بھائی صاحب نے میری
ہیڈ ماسٹری کے وقت پھر شروع کرا دی۔ اور میں الفیہ اور منطق کے مسائل
اور شرح عقائد وہاں پڑھ چکا تھا۔ لیکن آخری چار برس کے بعد وہ نوکری کا تعلق
خدا تعالےٰ کے محض فضل سے ٹوٹا۔ اور میرے والد صاحب نے مجھ کو تعلیم عربی کی
تکمیل کے لئے تاکید فرمائی۔ مولوی احمد دین صاحب جو بگے والے قاضی صاحب
کے نام سے مشہور تھے میرے اُستاد مقرر ہوئے وہ میرے بھائیوں کے بھی اُستاد

تھے۔ مگر اُن کو جامع مسجد کے بنانے کے لئے ایسی فکر لگی ہوئی تھی۔ کہ ایک جگہ ٹھہرنا ان کے لئے محال تھا۔ میں ایک سال اُن کے ہمراہ سفر اور حضر میں رہا اور عربی زبان کی معمولی درسی کتابیں نہایت تکلیف سے پڑھیں اور تنگ آکر اپنے بھائی مولوی سلطان احمد صاحب سے کہا۔ وہ مجھے لاہور میں لائے اور حکیم محمد بخش اور چند اور اساتذہ کے سپرد کرکے بھیرہ تشریف لے گئے۔ یہاں اب ہمارا مطبع کا تعلق کوئی نہ تھا۔ بھائی صاحب کے جاتے ہی ایک طالب علم کی ترغیب سے ہندوستان کو چلا گیا۔ اور بمقام رامپور روہیلکھنڈ پڑھنا شروع کیا۔

رامپور اور لکھنؤ

ہم تین آدمی تھے۔ ایک کا نام مولوی محمد مصطفےٰ تھا۔ ایک مولوی علاء الدین اور ایک میں خود تھا۔ ہم نے سفر میں پہلے یہ تجویز سوچی کہ ایک کو امیر بنانا چاہیئے۔ اور سفر کے اصل مقصد کو مد نظر رکھ کر باقیوں کو اسکی رائے کی پابندی اور فرمانبرداری چاہیئے یہ قرار پایا کہ ایک شہر میں تین برس تک رہیں۔ کیونکہ عربی علوم پڑھنے کے لئے یہ مدت کافی سے بھی زیادہ تھی۔ اور ایسے شہر میں رہیں جس میں صرف دو تین عالم نہیں بلکہ بہت زیادہ عالم ہوں۔ تاکہ مختلف علوم میں کافی اور با آسانی آگاہی ہوسکے کاندلہ رستہ میں پڑا۔ جب وہاں پہنچے تو مولوی نورالحسن ایک پاک صورت معمور الاوقات مجھے ملے انھوں نے مجھے رہنے کے واسطے کہا۔ مگر میں نے اس خیال سے کہ ہمارا اصل ارادہ اب رامپور کا ہو چکا ہے۔ وہاں ٹھہرنا پسند نہ کیا۔ میں مولوی نورالحسن کے لئے دعا کرتا ہوں کیونکہ انھوں نے بہت ہی محبت اور اخلاص سے فرمایا سفر بلا رئیس کے بہتر نہیں۔ خدا جانے مسلمانوں نے کیوں اسکی پرواہ گم کردی ہے۔ ہم رامپور کی ایک ایسی ویران مسجد میں جو کچھ بڑی نہ تھی تینوں جا ٹھہرے۔ جب کھانے کا وقت آیا۔ تو ایک لڑکی ہم تین آدمیوں کی روٹیاں لائی

اُس لڑکی کی عمر غالباً سات آٹھ سال کے درمیان تھی۔ کھانا کھا کر ہم شہر میں علماء کی جستجو میں پھرتے رہے۔ شام کا وقت آیا۔ تو اُسی لڑکی نے پھر کھانا لاکر دیا دوسرے دن دوپہر کو بھی بدستور لائی۔ اور شام کو بھی۔ پھر تیسرے دن ادھر روٹی دی۔ ادھر یہ کہا کہ میری اماں کہتی ہیں کہ آپ دُعا کریں کہ میرا خاوند میری طرف توجہ کرے۔ میں اسکے خاوند کا نام جانتا تھا۔ میں اسکے خاوند کے پاس پہنچا۔ اور بقدر اپنی اس طاقت کے جو مجھ کو حاصل تھی۔ اُس کو خوب وعظ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو رعایت سے بلایا۔ اور مجھ کو جناب الٰہی کے حضور شکر کا موقع ملا۔ اُسی دن شام کے قریب اکیلا پنجابیوں کے محلّہ کی ایک گلی میں ہوکر گذرا۔ وہاں ایک شخص حافظ عبدالحق راستہ میں مجھ کو ملے انھوں نے فرمایا کہ آپ میری مسجد میں آکر رہیں۔ مَیں نے کہا میں اکیلا نہیں ہوں ہم تین آدمی ہیں۔ انھوں نے تینوں کی ذمّہ واری اُٹھائی۔ تب مَیں نے کہا کہ ہم پڑھنے کے لئے آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم لوگوں کے گھروں میں روٹیاں مانگتے پھریں انھوں نے کہا ایسا نہ ہوگا۔ پھر مَیں نے کہا ہم کو کتابوں اور اُستادوں کی فکر ہے انھوں نے کہا کہ میں مدد دُونگا۔ فجزاہ اللہ خیراً۔ انھوں نے ایک سال اپنے اس معاہدہ پر بڑی عمدگی سے گذارا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ بلکہ جن دنوں میں دوبارہ ایک سال حکیم علی حسین صاحب کی خدمت میں رہا۔ تو ان دنوں میں بھی حافظ عبدالحق صاحب اور اس محلہ کے لوگ میرے ساتھ بدستور مروت کرتے رہے۔ مَیں ان کے اور اُن کی اولاد کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ ابتداء دورِ رامپور میں مجھے یہ فکر تھی۔ کہ میرا پچھلا پڑھا ہُوا یہاں آکر مفید ہوگا یا نہ ہوگا۔ اور اب مجھے کہاں سے شروع کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں فکرمند ہی رہتا تھا۔ جو صاحب ہمیں ترغیب دے کر لائے تھے وہ تو اس بیکاری سے تنگ آکر

رامپور چھوڑ کر خلاف وعدہ چلے گئے اور تعجب ہے کہ ہم سے انھوں نے پوچھا بھی نہیں۔ اس لئے ہم دو ہی رہ گئے۔ ان دنوں میں طالب علموں میں پھرا کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے طالب علم ایک جگہ آپس میں مباحثہ کر رہے ہیں۔ جس سوال پر جھگڑا تھا۔ مینے اسپر بہت غور کیا۔ تو ایک ایسا جواب میرے خیال میں آیا جس کو میں یقیناً کافی جواب سمجھتا تھا۔ وہ سوال اور جواب دل میں رکھ کر مینے سوچا کہ اگر آج ہم اس سوال اور جواب میں جیت گئے تو اس وقت کا پڑھا یا برکت ثابت ہو گیا۔ نہیں تو اب ہمیں کیا ڈر ہے۔ انھیں میں سے جو لائق طالب علم ہے۔ اس کو اُستادی کے لئے پسند کر لینگے مینے بلند آواز سے کہا کہ میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ اسپر بہت سے طالب علموں نے ہنسی اڑائی مگر پنجابی طالب علم میرے طرفدار ہو گئے۔ انھوں نے کہا کہ پہلے امتحان لیا جائے۔ کہ اس نے سوال کو سمجھا ہے یا نہیں۔ اگر سمجھا ہے تو اس کے جواب کو توجہ اور قدر سے سُنا جائے کیونکہ مباحثہ تو ہو ہی رہا ہے۔ اسپر وہ مباحثہ کسی قدر ٹھنڈا ہوا۔ مینے کہا کہ کوئی بڑا نحوی حکم مقرر کرو۔ ایک بزرگ مولوی غلام نبی صاحب کو سب نے تسلیم کیا کہ وہ نحو کے پورے ماہر ہیں ہم سب اُٹھے اور ان کی خدمت میں چلے گئے۔ مینے دل میں سوچا کہ اگر وہی بڑے عالم ہیں تو ان کو ہی اُستاد بنالیں گے۔ مولوی غلام نبی صاحب نہایت خوبصورت سفید ریش باوقار آدمی تھے۔ مینے دیکھا کہ انھوں نے کچھ حقارت کے لہجے میں فرمایا۔ کہ تم لوگ کس طرح آئے مینے بڑھ کر کہا کہ ایک سوال ہے اور اس کا جواب ہے۔ آپ کو حکم بنانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے بیٹھنے کی اجازت دی وہ سوال اور اس کا جواب مجھ سے سُنکر کہا کہ مولوی جی! مجھ کو اسوقت اپنے متعلق "مولوی جی" سُننے سے بھی بہت خوشی ہوئی۔ کہ میرا پچھلا پڑھا ہُوا ضائع نہیں ہُوا

حالانکہ میں نے شرح جامی نہیں پڑھی تھی۔ الفیہ اُس کے بدلہ میں پڑھا تھا۔ یہ سوال عبدالرحمٰن میں جو جامی کا حاشیہ ہے لکھا ہے۔ اور اس میں اس سوال کے دو جواب بھی دیئے ہیں پھر وہ دونوں جواب بھی سُنائے۔ مگر وہ جواب بہت ہی کمزور تھے جن کے متعلق مولوی صاحب نے خود فرمایا کہ یہ بہت کمزور ہیں اور آپ کا جواب بہت صحیح ہے اور یہ لوگ تو آپ سے کبھی نہ مانتے جب تک یہ نہ سُنتے جو کتاب میں لکھے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سوچکر جواب دیا ہے۔ مجھ کو مولوی صاحب کی تقریر سے خوشی ہوئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب شرح جامی تک کی کتابیں میں نہیں پڑھوں گا۔ اس واسطے ملاحسن مشکوٰۃ۔ اصول شاشی۔ شرح وقایہ اور میبذی مختلف اُستادوں سے شروع کیں۔ میبذی پڑھنے میں مجھ کو بڑا ہی تعجب ہُوا کرتا تھا کیونکہ جس چیز کو میں نہیں سمجھتا تھا اس کو ہمارے اُستاد بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس واسطے جتنی کراہت ممکن تھی میرے دل میں اس کتاب کی نسبت پیدا ہو گئی۔ یہاں اگر مجھے اتنا افسوس ہُوا کرتا ہے کہ اگر ہندوستان کے مسلمان تعلیمی درسی کتابیں سوچ سمجھ کر مقرر کیا کریں۔ اور پھر ان کے امتحان بھی ہُوا کریں اور اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ طالب علم دین و دنیا دونوں میں ترقی کر سکے تو قوم پر کتنا بڑا احسان ہو۔ الگ الگ درس گاہیں بڑی دِقت میں ڈالتی ہیں سب سے بڑی دِقت جو مجھ کو محسوس ہوئی یہ ہے کہ نہ تو اُستاد صلاح دیتے ہیں کہ کیا پڑھنا چاہیئے۔ اور نہ طالبعلم اپنے حسب منشا آزادی کے ساتھ اپنے ان قویٰ کے متعلق جو خدا تعالےٰ نے عطا کئے ہیں کسی کتاب کے انتخاب کرنے کی جرأت کر سکتا ہے نیز اخلاق فاضلہ کی تعلیم و تاکید نہیں ہوتی۔ میں اپنی تحقیق سے کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں کسی اُستاد میں یہ بات نہ دیکھی۔ ان باتوں کا رنج مجھے اب تک بھی ہے۔ کس قدر رنج ہوتا ہے

جبکہ میں غور کرتا ہوں کہ اس وقت ہمارے افعال۔ اقوال۔ عادات۔ اخلاق پر کبھی ہمارے معلموں میں سے کسی نے نوٹس نہ لیا۔ بلکہ عقائد کے متعلق بھی کبھی کچھ نہ کہا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مشکوٰۃ میں ہی ہمارے اخلاق پر توجہ دلائی گئی ہو۔

رامپور میں تین باتیں بڑی قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ شاہ جی عبدالرزاق صاحب ایک بزرگ تھے۔ میں اُنکی خدمت میں اکثر جایا کرتا تھا۔ ایک زمانہ میں مجھ سے سُستی ہوئی۔ اور کچھ دنوں کے بعد انکی خدمت میں پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ نورالدین! تم بہت دنوں میں آئے۔ اب تک کہاں تھے؟ مینے عرض کیا کہ حضرت ہم طالب علموں کو اپنے درس تدریس کے اشغال سے فرصت بھی کم ہی ملتی ہے۔ کچھ مجھ سے سُستی بھی ہوئی۔ فرمانے لگے کبھی تم نے قصاب کی دُکان بھی دیکھی ہے؟ مینے عرض کیا کہ ہاں۔ اکثر اتفاق ہُوا ہے۔ فرمایا کہ تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ گوشت کاٹتے کاٹتے جب اُسکی چھریاں کُند ہو جاتی ہیں تو وہ دونوں چھُریاں لے کر ایک دوسرے سے رگڑتا ہے۔ چھُریوں کی دھار پر جو چربی جم جاتی ہے اس طرح رگڑنے سے وہ دُور ہو کر چھُریاں تیز ہو جاتی ہیں اور قصاب پھر گوشت کاٹنے لگتا ہے۔ اور اِسی طرح تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد چھُریوں کو آپس میں رگڑ کر تیز کرتا ہے۔ مینے عرض کیا کہ ہاں حضرت یہ سب کچھ دیکھا ہے مگر آپ کا اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کچھ ہم پر غفلت کی چربی چھا جاتی ہے کچھ تم پر۔ جب تم آجاتے ہو تو کچھ تمہاری غفلت دُور ہو جاتی ہے کچھ ہماری۔ اور اس طرح دونوں تیز ہو جاتے ہیں۔ پس ہم سے ملتے رہا کرو۔ اور زیادہ عرصہ جُدائی اور دُوری میں نہ گذارا کرو۔ اُن کی اِس بات نے مجھے بہت ہی بڑے بڑے فائدے پہنچائے اور ہمیشہ مجھ کو یہ خواہش رہی کہ نیک لوگوں

کے پاس آدمی کو جاکر ضرور بیٹھنا چاہیئے۔ اِس سے بڑی بڑی سستیاں دور ہو جاتی ہیں ؂

دوسری بات جو رامپور میں بڑی عجیب نظر آئی یہ تھی۔ کہ ایک طالب علم میرے دوست تھے۔ وہ پڑھنے میں کچھ سُست ہو گئے۔ مَیں نے ان سے وجہ دریافت کی۔ تو کہا کہ میں ایک حسین لڑکے پر عاشق ہو گیا ہوں بدوں اُسکے دیکھے دِل بیتاب رہتا ہے۔ اور اُسکی ملاقات کسی طرح میسّر نہیں ہو سکتی اس لئے پڑھا نہیں جاتا۔ میں یہ سُنکر بہت دلیری کر کے اُٹھا ہُوا اُس لڑکے کے پاس چلا گیا۔ اپنے دوست کو بھی ہمراہ لے گیا۔ اور اس لڑکے سے کہا کہ یہ ہمارے دوست ہیں۔ آپ پر عاشق ہو گئے ہیں۔ اِس لئے اِن سے پڑھنے میں محنت نہیں ہوتی۔ اور میری یہ خواہش ہے کہ ان کے پڑھنے کا حرج نہ ہو۔ لہٰذا میں انکی سفارش کرتا ہوں۔ کہ یہ عصر کے بعد آپ کے پاس آجایا کریں گے اور شام تک آپکی دُکان پر بیٹھ کر مغرب کے وقت اُٹھ کر چلے جایا کریں گے۔ آپ میری سفارش سے اِس بات کو منظور کر لیں۔ میری اس جراٗت پر اس شریف لڑکے کو بڑا ہی تعجب ہُوا۔ اور پھر کہا کہ بہت اچھا آجایا کریں۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ جو شخص لِلّٰہ فی اللہ کام کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ اس میں ضرور برکت دیتا ہے ؂

تیسری بات یہ ہے کہ مجھے کتابوں کا بہت شوق تھا۔ ایک بزرگ شاہ صاحب میری کتابیں لکھا کرتے تھے اور وہ شاہ صاحب کتابت میں بہت کچھ کماتے تھے مگر سب کیمیا میں لگا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ دس روپیہ مجھ کو دیدیں۔ اور میں آئندہ کتاب نہ لکھوں گا۔ بلکہ نقد روپیہ آپ کو دیدونگا میں نے کہا کیوں؟ کہا کہ میں اٹھارہ برس کا تھا تب سے مجھ کو کیمیا کے نسخوں کا شوق ہے۔ میں کیمیا کے معاملات میں خوب تجربہ کار ہوں۔ اب مجھ کو کیمیا کا اصل

نسخہ مل گیا ہے۔ چاندی بناؤں گا۔ اور آپ کے روپے ادا کر دوں گا۔ مینے انکو دس روپے دے دئے۔ مگر بہت دنوں تک شاہ صاحب ملے نہیں ایک روز میں اس مسجد میں چلا گیا۔ جہاں وہ امامت کراتے تھے۔ مگر وہ مسجد میں نظر نہ آئے جس حجرہ میں وہ رہتے تھے اس کو دیکھا تو دروازہ بند ہے۔ اندر سے زنجیر لگی ہوئی ہے۔ آواز دی مگر اندر سے جواب نہ آیا۔ دروازہ کو کھٹکھٹایا دھکا دیا۔ کواڑ کچھ کمزور تھے۔ دروازہ کھل گیا۔ شاہ صاحب چارپائی پر بیٹھے تھے مجھ کو دیکھ کر چونک پڑے مجھ سے کہنے لگے دیکھئے ہم نے کیمیا تو بنائی تھی۔ یہ کہہ کر ایک مٹی کا برتن اٹھا لائے۔ اُس میں جلی ہوئی کوئی چیز تھی۔ کچھ ذرات سے بھی چمکتے تھے۔ کہا چاندی تو بننے ہی لگی تھی۔ مگر ہم نے کچھ سُستی کی اچھی طرح برتن کو بند نہیں کیا تھا۔ خیر اب تو کتاب لکھے دیتا ہوں۔ مگر آیندہ نہ لکھوں گا۔ مجھ کو کیمیا گری سے بڑی ہی نفرت ہوگئی اُس سے پہلے میں راولپنڈی سے بھیرہ کو آتا تھا۔ ایک مسجد میں مینے نماز پڑھی وہاں دو آدمی سکندر نامہ کے کسی شعر پر اُلجھے ہوئے تھے مینے نماز پڑھ کر انکا فیصلہ کیا۔ اور شعر کے کچھ معنے بتلائے جسکو وہ دونوں مان گئے۔ اُن میں سے ایک نوجوان ہمارے گھر چلا آیا۔ اور پڑھنا شروع کیا۔ وہ ہمارے گھر رہتا تھا اور پڑھتا تھا۔ عربی میں بھی اُسکی اچھی استعداد ہوگئی تھی۔ بہت دنوں کے بعد ایک روز اُس کے دادا آئے ہم نے انکی مناسب مدارات کی۔ انھوں نے بڑا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ "آپ نے ہمارے ساتھ بڑا سلوک کیا۔ اور میرے پوتے کو عالم بنا دیا۔ میں اسکے عوض میں آپ کو کیمیا سکھاتا ہوں۔" مجھ کو اپنے والد صاحب سے بہت ہی محبت تھی۔ اور کوئی بات بھی اُن سے نہیں چھپاتا تھا۔ مینے جاکر والد صاحب سے عرض کیا۔ کہ اس لڑکے پر واقعی ہم نے بڑا احسان کیا ہے۔ اب اسکے دادا صاحب آئے ہیں وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں کیمیا بتلائے دیتا ہوں۔ آپ کا اس میں کیا حکم ہے؟

انھوں نے فرمایا کہ اُس لڑکے کے دادا سے کہو کہ بہتر یہ ہے کہ آپ ہم کو دس ہزار روپیہ بیاگر دے دیں۔ کیمیا کے سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ مینے ایسے ہی اُن سے کہدیا۔ وہ تو چلے گئے۔ بعد میں اُن کے پوتے نے کہا۔ "یہ تو ٹھگ آدمی ہے۔"
خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ اُس نے کیمیا کی خواہش سے مجھ کو بچایا۔ میرے قلب کے کسی گوشہ میں بھی کبھی کیمیا کی کوئی خواہش نہیں ہوئی +

شاید یہ بات بھی کسی کو مفید ہو کہ اس زمانہ میں رامپور میں میاں سبحان شاہ رہتے تھے۔ میرا ایک بہت پیارا دوست اُنکے پاس گیا۔ اور انکی خدمت میں شریعت کے متعلق کچھ عرض کیا۔ میاں سبحان شاہ نے اسکی بات کو ہنسی میں ٹلا دیا میرا دوست کسی قدر شوخ تھا کھڑا ہو گیا۔ میاں صاحب نے کہا۔ آپ جاتے تو ہیں مگر آپ تو پھر بھی ہمارے یہاں آہی جاینگے۔ اُس نے غلیظ قسم کھائی۔ کہ میں آپ کے یہاں ہرگز نہ آؤنگا۔ لیکن جب وہ مکان پر آیا۔ تو اُس کو معلوم ہوا کہ اُسکے گلے میں کوئی رسہ ڈالا گیا ہے۔ اور زور سے کھینچتا ہے۔ چنانچہ وہ مجبوراً اُٹھ کر کھچا چلا جاتا تھا۔ راستہ میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس پڑھتا تھا مگر سبحان شاہ کے مکان کی طرف چلا جاتا تھا۔ پھر اُس نے بڑے الحاح سے دُعا مانگی۔ یہاں تک کہ وہ رسہ ٹوٹ گیا۔ اور وہ راستہ ہی سے اپنے مکان کو واپس چلا آیا۔ بہت دنوں کے بعد اپنی مرضی سے بلا کسی جبر کے وہ سبحان شاہ کے مکان پر گیا۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا چلے جاؤ۔ اور یہ چلا آیا۔ مگر یہ کہتا ہوا آیا کہ آپ کا رسہ تو ہمنے توڑ ہی دیا۔ یہ وہاں کے عجائبات میں سے ایک بات ہے +

رامپور میں مشکوٰۃ مینے حسن شاہ صاحب سے پڑھی۔ شرح وقایہ مولوی عزیز اللہ صاحب افغان سے۔ اور اصول شاشی اور میبذی مولوی ارشاد حسین صاحب سے متنبی مفتی سعد اللہ صاحب سے۔ صدرا وغیرہ مولوی عبد العلی صاحب سے۔ ملا حسن

حافظ سعد اللہ رڑ بان ملک پنجاب سے پڑھی۔

ایک عجیب معرکۃ الآراء بات جو مجھ کو اس وقت پیش آئی یہ تھی کہ مجھ سے میرے بعض احباب نے کہا۔ کہ تم زواہد ثلاثہ پڑھو۔ میں نے ان سے پوچھا یہ کس علم کی کتابیں ہیں۔ اس میرے سوال نے وہاں ایک شور برپا کر دیا۔ بڑی بڑی مخالفتیں میرے اس سوال پر ہوئیں۔ مجھ کو یہ فائدہ ہوا۔ کہ ان تینوں کتابوں کے پڑھنے میں مجھے تامل ہو گیا۔ اگرچہ طوعاً و کرہاً میر زاہد رسالہ اور میر زاہد ملا جلال کو میں نے پڑھا مگر بڑی بد مذاقی سے۔ ایک دفعہ میں گلی میں جاتا تھا اور بہت سے طالب علم میرے ساتھ تھے۔ راستہ میں ایک خوش وضع اور عمدہ لباس والے آدمی سے جن کے ساتھ بہت سے طالب علم تھے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھ کو دیکھ کر کہا کہ تمہارا ہی نام نورالدین ہے۔ اور تم نے ہی زواہد ثلاثہ کے متعلق لوگوں سے کچھ گفتگو کی ہے میں نے کہا کہ "حضرت ایسا ہوا ہے۔" انہوں نے میری پیٹھ ٹھپکی۔ اور کہا کہ "خوب! میں بھی تمہارا ہم خیال ہوں۔ اب اگر کوئی تم سے زواہد ثلاثہ کے متعلق گفتگو کرے اور تم ہار جاؤ تو اس کو میرے پاس لاؤ"۔ انہوں نے بڑی محبت سے گفتگو کی اور کہا کہ زواہد میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے یہ کوئی علم نہیں۔ بعد میں میں نے لوگوں سے ان کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ مولوی حکیم عبدالکریم صاحب تھے۔ ان کی زبان میں کسی قدر لکنت بھی تھی۔ رامپور میں چونکہ میں دو تین برس رہا اس لئے بڑی بڑی باتیں ہیں۔ مگر اس وقت اللہ جلشانہ کے احسانوں میں سے ایک احسان کا ذکر کر دینا مجھے پسند آتا ہے۔

مولوی ارشاد حسین صاحب میرے ہم قوم بزرگ تھے۔ اور میں سلسلہ نقشبندیہ میں مرید بھی تھا۔ مگر پھر بھی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کی شان میں وہاں اکثر جھگڑا ہو جاتا تھا۔ میں ہر چند کوشش کرتا تھا کہ وہاں یہ جھگڑے نہ ہوں۔ کیونکہ ہمارے

پڑھنے میں ہرج ہوتا تھا۔ مگر وہاں میرا کوئی سکوت کارگر نہ ہوا۔ ایک دن مولوی صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم جو مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کی اس قدر تعریف کرتے اور اتنی عقیدت رکھتے ہو۔ کیا تم نے انکو دیکھا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا ہم تو اُن سے علم میں زیادہ ہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ آپ اُن سے علم میں زیادہ بھی سہی۔ لیکن یہی تو اُن کا جذب ہے کہ میں انکے مقابلہ میں آپکو یا کسی کو نہیں سمجھتا۔ سنکر مولوی صاحب بہت ہی خفا ہو گئے ہیں اُن سے صرف اصول شاشی کا سبق پڑھنے جایا کرتا تھا۔ میں تو اپنی کتاب کھولکر پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی صاحب ٹھنڈے ہو گئے۔ طلباء میں ایک عبد القادر خاں تھے۔ وہ آسودہ حال بھی معلوم ہوتے تھے۔ جہاں میں نماز پڑھاتا تھا۔ اس محلہ میں ایک شخص کلن خان رہتے تھے۔ بیچارے سیدھے سادھے کچھ اَن پڑھ سے تھے۔ ایک روز عبد القادر خان نے کلن خاں کو علیحدہ لے جا کر سمجھایا کہ یہ طالب علم جو نماز پڑھاتا ہے اس قابل نہیں کہ اسکی عزت کی جائے۔ کیونکہ اس کا مولوی ارشاد حسین سے کئی مسائل میں تنازع ہے۔ کلن خاں نے کہا کہ ہماری مسجد میں کوئی طالب علم جماعت نہیں کراتا۔ عبد القادر خاں نے میرا پتہ بتایا۔ اور نام لیا۔ کلن خاں نے اپنی تلوار نکالکر عبد القادر خاں کو دکھلائی۔ اور کہا کہ وہ مسئلے تو یہاں تلوار کی دھار پر لکھے ہوئے ہیں۔ آپ پڑھنا چاہیں تو ہم ابھی پڑھانے کو موجود ہیں پڑھ لیں۔ عبد القادر خاں بیچارہ ایک شریف انسان تھا۔ وہ بھاگ گیا۔ اور پھر مکتب میں خود ہی مجھ سے یہ سب واقعہ بیان کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ کلن خاں صاحب بھی مجھ سے ذکر کرینگے۔ لیکن انھوں نے قطعاً مجھ سے ذکر نہیں کیا حالانکہ روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ جب بہت دن گذر گئے۔ تو میں نے ہی کلن خاں سے کہا کہ میرے متعلق عبد القادر خاں سے کچھ آپکی باتیں ہوئی تھیں؟ کلن خاں نے ہنسکر کہا کہ ہاں وہ آپ کے متعلق کچھ کہنے لگا تھا۔ مگر رہ گیا۔ اگر ذرا زیادہ زبان ہلاتا تو میں فوراً اس کا سر اُڑا دیتا۔

مینے کہا کہ آپ کو ایسا نہیں چاہیئے تھا۔ اگر خدانخواستہ یہ بات نواب صاحب تک پہنچتی تو آپ کو مشکل پیش آتی کہا کہ نہیں جناب ہمارا سارا محلہ ذبح ہو جائے گا۔ تب کوئی آپ کو ہاتھ لگا سکے گا۔ نواب صاحب ہوں یا کوئی ہوں۔ میں اب تک کلّن خاں کا ثنا خواں ہوں۔ اور میں اس کو عنایت ایزدی سمجھتا ہوں ؛

اب مصیبت یہ پڑی کہ میرا سبق رات کو یا دو پہر کو بہت دور ایک مقام پر ہوتا تھا۔ اُن شب بیداریوں نے مجھے بیدار کر دیا اور مجھے سہر کا مرض لاحق حال ہو گیا جس سے میں بہت تنگ ہوا۔ مینے وہاں تحقیقات کی کہ آجکل ہندوستان میں بہت بڑا عالم طبیب کون ہے۔ اس محدود جماعت میں سوائے حکیم علی حسین صاحب لکھنوی کے کسی کا نام نہ سُنا۔ مگر سب نے یہ بھی کہا کہ ان کے ہاتھ میں شفا نہیں۔ اور مجھے بہت جلد معلوم ہو گیا۔ کہ ان کے پاس مسلول اور مدقوق یا مجذوم یا ذیابیطس کے گرفتار ہی اکثر پہنچتے ہیں۔ سو ایسے بیماروں میں کامیابی کی کمی اُن کے نقص کے سبب نہیں۔

بیماری نے تو لاچار کر ہی رکھا تھا۔ میں رامپور سے مراد آباد چلا گیا۔ اور وہاں ایک خدا تعالیٰ کا بندہ عبدالرشید نام ساکن بنارس مجھے اسمٰعیل نام ایک پنجابی نوجوان تاجر کے ذریعہ ملا۔ جس نے میری خدمت والدین کے برابر کیا بڑھ کر کی اور میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں اچھا ہو گیا۔ عمدہ صحت کے بعد مینے لکھنؤ کا قصد کیا میرے مکرم دوست عبدالرحمٰن خان مالک مطبع نظامی میرے بھائی کے دوست تھے۔ اُنکے پاس میں کانپور میں ٹھہرا۔ انھوں نے حکیم صاحب (حکیم علی حسین صاحب

نکھنوی)، کی بہت تعریف کی اور دوسرے دن گاڑی میں سوار کرا کر لکھنؤ روانہ کیا۔ کچی سڑک اور گرمی کا موسم گرد و غبار نے مجھے خاک آلودہ کر دیا تھا کہ میں لکھنؤ پہنچا۔ جہاں وہ گاڑی ٹھہری وہاں اُترتے ہی میں نے حکیم صاحب کا پتہ پوچھا۔ خدائی عجائبات ہیں۔ کہ جہاں گاڑی ٹھہری تھی۔ اس کے سامنے ہی حکیم صاحب کا مکان تھا یہاں ایک پنجابی مثل یاد کرنے کے قابل ہے۔ "لل کرے اولیاں رب کرے سولیاں" میں اسی وحشیانہ حالت میں مکان میں جا گھسا۔ ایک بڑا ہال نظر آیا ایک فرشتہ خصلت دلربا۔ حسین سفید ریش۔ نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک گدیلے پر چار زانو بیٹھا ہوا۔ پیچھے اس کے ایک نہایت نفیس تکیہ اور چھوٹے چھوٹے دونوں طرف تکیے تھے۔ سامنے پاندان۔ اگالدان خاص دان۔ قلم دوات، کاغذ دھرے ہوئے۔ ہال کے کنارے کنارے جیسا کوئی التحیات میں بیٹھتا ہے۔ بڑے خوشنما چہرے قرینے سے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ نہایت براق چاندنی کا فرش اس ہال میں تھا۔ وہ قہقہہ دیوار دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ کیونکہ پنجاب میں کبھی ایسا نظارہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بہر حال اس کے مشرقی دروازے سے (اپنا بستہ اُس دروازہ ہی میں رکھ کر) حضرت حکیم صاحب کی طرف جانے کا قصد کیا۔ گرد آلودہ پاؤں جب اس چاندنی پر پڑے۔ تو اس نقش و نگار سے میں خود ہی محجوب ہو گیا۔ حکیم صاحب تک بے تکلف جا پہنچا۔ اور وہاں اپنی عادت کے مطابق زور سے السلام علیکم کہا جو لکھنؤ میں ایک نرالی آواز تھی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ حکیم صاحب نے وعلیکم السلام زور سے یا دبی آواز سے کہا ہو۔ مگر میرے ہاتھ بڑھانے سے انھوں نے

ضرور ہی ہاتھ بڑھایا اور خاکسار کے خاک آلودہ ہاتھوں سے اپنے ہاتھ آلودہ کئے۔ اور میں دوزانو بیٹھ گیا۔ یہ میرا دوزانو بیٹھنا بھی اس چاندنی کے لئے جس عجیب نظارہ کا موجب ہُوا وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے جو اراکین لکھنؤ سے تھا اُس وقت مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کس مہذب ملک سے تشریف لائے ہیں۔ میں تو پہلے ہی اپنے قصور کا قائل ہو چکا تھا۔ مگر خدا شرے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد۔ مینے نیم نگاہی کے ساتھ اپنی جوانی کی ترنگ میں یہ جواب دیا کہ یہ بے تکلفیاں اور السلام علیکم کی بے تکلف آواز وادیٔ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ کے اُمّی اور بکریوں کے چرواہے کی تعلیم کا نتیجہ ہے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ فداہ ابی و امی۔ اس میرے کہنے کی آواز نے بجلی کا کام دیا۔ اور حکیم صاحب پر وجد طاری ہُوا۔ اور وجد کی حالت میں اس امیر کو کہا کہ آپ تو بادشاہ کی مجلس میں رہے ہیں کبھی ایسی زک آپ نے اُٹھائی ہے؟ اور تھوڑے وقفہ کے بعد مجھ سے کہا کہ آپ کا کیا کام ہے؟ مینے عرض کیا کہ میں پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ میں اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور پڑھانے سے مجھے ایک انقباض ہے میں تو نہیں پڑھا سکتا۔ مینے قسم کھالی ہے۔ کہ اب نہیں پڑھاؤں گا۔ میری طبیعت ان دنوں میں بہت جوشیلی تھی۔ اور شاید شہر کا بقیہ بھی ہو اور حق تو یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ہی کے کام ہوتے ہیں۔ منشی محمد قاسم صاحب کی فارسی تعلیم نے یہ تحریک کی کہ مینے جوش بھری اور دردمند آواز سے کہا کہ شیرازی حکیم نے بہت ہی غلط کہا۔ رنجانیدن دل جہل است و کفارۂ یمین سہل۔ اسپر ان کو دوبارہ وجد ہُوا اور چشم پُر آب ہو گئے تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا۔ مولوی نور کریم حکیم ہیں

اور بہت لائق ۔ مَیں آپ کو اُن کے سپرد کر دونگا۔ اور وہ آپ کو اچھی طرح پڑھائیں گے۔ جسپر مَینے عرض کیا کہ ملکِ خدا تنگ نیست ۔ پائے مرا لنگ نیست ۔ تب آپ پر تیسری دفعہ وجد کی حالت طاری ہوئی ۔ اور فرمایا ہم نے قسم توڑ دی ۔ اس کے بعد حکیم صاحب تو گھر کو تشریف لے گئے ۔ اور وہ لوگ جو مختلف اغراض اور بیماروں کے لئے آئے تھے ۔ اپنی اپنی جگہ چلے گئے ۔ مَینے بھی تنہائی کو غنیمت سمجھ کر اپنا بوریا بندھنا سنبھالا اور اس مکان سے باہر نکلا ۔ میرے بھائی صاحب کے دوست علی بخش خاں مرحوم مطبع علوی کے مالک تھے میں اُن کے مکان پر پہنچا ۔ وہاں مَینے بڑا آرام پایا ۔ غسل کیا ۔ کپڑے بدلے ۔ خان صاحب نے انار کا ایک خوبصورت درخت دکھایا ۔ جو اُن کے مطبع والے مکان میں تھا ۔ اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی کی یادگار ہے ۔ وہاں آرام پاکر میں مختلف علماء سے جو لکھنو میں تھے ملا ۔ اور عجیب عجیب باتیں سُننے میں آئیں ۔

آخر علی بخش خاں نے مجھے ایک مکان دیا اور وہاں کھانے کا انتظام مجھے خود کرنا پڑا ۔ جیسے کہ میں کہہ چکا ہوں ۔ حرفہ کے لئے میرے دماغ میں کوئی بناوٹ نہیں ۔ اپنی روٹی پکانے کے لئے ایک منطق سے کام لینے لگا ۔ چولہے میں آگ جلائی ۔ توا رکھا ۔ اور روٹی گول بنانے کی یہ ترکیب سوجھی کہ آٹے کو بہت پتلا گھول لیا ۔ اور ایک برتن کے ذریعہ اُس گرم توے پر بلاٹھی اور خشکے کے خوبصورت دائرہ کی طرح آٹا ڈالدیا جب اُس کا نصف حصہ پک گیا تو پلٹنے کے لئے روٹی کو اُٹھانیکی فضول کوششیں کیں ۔ ان کوششوں میں روٹی اوپر تک پک چکی تھی خیالی فلسفہ نے توے کو اُتار کر آگ کے سامنے رکھوایا جب عمدہ طور پر اوپر کا حصہ پختہ نظر آیا

تو چاقو سے اُتارنے کی ٹھہری۔ مگر چاقو کے ذریعہ اُترنے سے بھی اُس نے انکار کیا۔ اور مجھے دُعا کی توفیق ملی۔ اُس مکان سے باہر نکل کر آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر یُوں دعا مانگنے لگا۔ اے کریم مولا ایک نادان کے کام سپرد کرنا اپنے بنائے ہوئے رزق کو ضائع کرنا ہے۔ بہ کس لائق ہے۔ جس کے سپُرد روٹی پکانا کیا گیا۔

اس روٹی کے انتظام اور دُعا کے بعد حکیم صاحب کے حضور پُر تکلف لباس میں جا پہنچا۔ جاتے ہی اپنی دُعا کی قبولیت کا یہ اثر دیکھا کہ حکیم صاحب نے فرمایا۔ آپ اُس وقت آئے اور بے اجازت چلے گئے یہ شاگردوں کا کام ہے؟ آیندہ تم روٹی ہمارے ساتھ کھایا کرو۔ اور یہیں رہو یا جہاں ٹھہرے ہو وہاں رہو مگر روٹی یہاں کھایا کرو۔ مینے کچھ عذر معذرت کی پھر آپ نے فرمایا کیا پڑھنا چاہتے ہو مینے عرض کیا طب پڑھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اُس وقت یہ بھی اطلاع نہ تھی کہ دنیا میں بڑا طبیب کون ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا طب کہاں تک پڑھنا چاہتے ہو۔ مینے عرض کیا افلاطون کے برابر۔ مجھے یہ بھی خبر نہ تھی کہ افلاطون کوئی حکیم ہے یا طبیب۔ آپ نے فرمایا کچھ تو ضرور ہی پڑھ لوگے۔ اگر کسی چھوٹے کا نام لیتے تو میرے دل کو بہت صدمہ پہنچتا۔ کیونکہ ہر ایک انسان اپنی نہایت مطلوب تک نہیں پہنچتا۔ حکیم الہ دین صاحب لاہوری مرحوم اور حکیم محمد بخش صاحب لاہوری مرحوم سے کسی قدر موجز تو میں پڑھ ہی چکا تھا۔ اور علمی مباحثات کے لئے میری پہلی تعلیم کافی سے بھی زیادہ تھی۔ مینے عرض کیا قانون شروع کرادو۔ اِسپر حکیم صاحب نے تبسم کیا۔ پھر مینے جلد جواب دیا کہ میں تو خدا تعالےٰ کی کتاب بھی سمجھ سکتا ہوں۔ بو علی سینا یا اس کا قانون اس سے بڑے ہیں؟ حکیم صاحب نے نفیسی

کی طرف اور اُس کے علمی حصہ کے لئے مجھے مجبور کیا مینے کتاب شروع کردی۔ ایک ہی سبق تمام دن میں میرے لئے ہرگز قابل برداشت نہ تھا مینے بہت کوشش کی کہ کہیں کوئی اور سبق پڑھوں مگر وہابیت کا خدا تعالے بھلا کرے۔ اُس نے کوئی جگہ پسند نہ کرنے دی پھر بھی مولوی فضل اللہ نام فرنگی محلی سے میری سفارش ہوئی۔ اور انھوں نے ملا حسن یا حمد اللہ پڑھانے کا وعدہ کیا اور شروع کرادی۔ مینے چند سبق ہی پڑھے ہونگے کہ تنہائی میں اپنی گذشتہ عمر کا مطالعہ شروع کیا۔ اور اِس بات تک پہنچ گیا کہ اگر تو اسی طرح پڑھے گا۔ تو ان علوم سے متمتع ہونے کے دن تجھ کو کب ملیں گے۔ اور میرے دل نے فیصلہ کر لیا کہ اگر چھ سات سبق ہر روز نہ ہوں تو پڑھنا گویا عمر کو ضائع کرنا ہے۔ غرض اِس فیصلہ کے بعد حکیم صاحب کے حضور صرف اس لئے گیا۔ کہ آج میں اُن سے رخصت ہو کر واپس رامپور جاؤں گا۔ لیکن قدرت خداوندی کے کیا تماشے ہیں کہ میری اس ادھیڑ بن کے وقت حکیم صاحب کے نام نواب کلب علیخان نواب رامپور کا تار آیا تھا کہ آپ ملازمت اختیار کریں علی بخش نام اُن کے ایک چہیتے خدمتگار علیل ہیں۔ اُن کا آکر علاج کریں۔ دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر میں وہاں حاضر ہوا۔ اپنے منشاء کا اظہار کر کے عرض کیا کہ اب میں رامپور جانا چاہتا ہوں۔ حکیم صاحب نے فرمایا تم یہ بتاؤ۔ مجھ جیسے آدمی کو ملازمت اچھی ہے یا آزادی سے علاج کرنا۔ چار سو روپیہ کے قریب یہاں شہر میں آمدنی ہوتی ہے۔ کیا اس آمدنی کو چھوڑ کر ملازمت اختیار کریں؟ تمہارے خیال میں یہ بھلی بات ہے؟ مینے عرض کیا کہ نوکری آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ موجودہ حالت میں اگر آپ کے حضور کوئی شخص اپنے پہلو یا سر۔ بن کو

کھجلانے لگے تو آپ کو یہی خیال ہو گا کہ کچھ دینے لگا ہے۔ اسپر وہ
بہت قہقہہ مار کر ہنسے اور اللہ تعالےٰ نے اُن کے دل میں یہ ڈالدیا
کہ یہ بھی اس شخص کے تصرفات کی کوئی بات ہے غرض ہماری ولایت
کا وہاں سکّہ بیٹھ گیا۔ پھر وہ تار نکالا اور کہا کیا یہ آپ کے رامپور جانے
کی ترکیب نہیں؟ اچھا ہم منظور کرتے ہیں۔ اور آپ ساتھ چلیں۔ غرض
معاً رامپور واپس آنے کی تیاری ہوگئی۔ رامپور پہنچکر حکیم صاحب نے کہا
کہ اس شخص کی صحت کے لئے تم دُعا کرو۔ مینے کہا یہ بچتا نظر نہیں آتا۔ اور
مجھے اس کے لئے دُعا کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اور بدوں توجہ دُعا نہیں
ہوسکتی۔ اب یہ جئے یا مرے ہم تو رامپور پہنچ ہی گئے۔ آخر علی بخش کا
انتقال ہو گیا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اس (علی بخش) کے
مرنے پر ہمارے شہر کے ایک حکیم ابراہیم صاحب ہیں۔ اُن کو دربار میں
ہم پر ہنسی کا موقع ملا ہے۔ مَیں خدا تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہوں میرے
مُنہ سے بیساختہ نکلا۔ کہ اس مریض جیسا کوئی اُن کے ہاتھ سے بھی مر رہے گا
آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ قدرت الٰہی دیکھو نہ گمان نہ خیال علی بخش کے
بالمقابل ایک دوسرا خدمت گار نواب کا اسی بیماری میں گرفتار ہوا اور
حکیم ابراہیم صاحب لکھنوی اُن کے معالج تجویز ہوئے۔ مریض کو ورم کبد
بھی تھا۔ ایک دن اُس کے مُنہ سے خون آیا۔ معالج حکیم صاحب نے فرمایا
کہ یہ بحرانی خون ہے۔ اور ہم کو اُسکی صحت کی بہت امید ہے۔ ہمارے حکیم
صاحب نے آکر یہی بات ظاہر کی۔ مَینے عرض کیا کہ اب یہ مر گیا ہے۔
خدا تعالےٰ کے عجائبات ہیں۔ انسان کی کیا مقدرت ہے وہ مریض مر
گیا۔ عوضِ معاوضہ گلہ ندارد۔ حکیم ابراہیم صاحب آئندہ تمسخر سے باز آگئے۔

طب کے پڑھنے میں مجھے جو امر بہت نافع نظر آیا اور مینے خود عمل کیا۔ اور جس میں مینے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اس کو بیان کرنا شائد مفید ہو۔ سو اس میں پہلی بات یہ ہے کہ مینے مفرد اور مرکب ادویہ کے متعلق بہت دنوں تک حضرت حکیم صاحب سے کبھی بھی سوال نہ کیا کہ یہ مرکب کس طرح بنتا ہے۔ یا اس مفرد کا کیا نام ہے۔ بات یہ تھی کہ اگر وہ نام بتاتے تو صرف لکھنؤ کا مروج نام بتاتے اور وہ میرے لئے اپنے وطن میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔ مرکبات کے واسطے میں یقین کرتا تھا کہ قرابادینوں کا مطالعہ کافی ہوگا۔ اسپر آخر حکیم صاحب نے مجھ سے سنکھیا (سم الفار) اور سُرخ مرچ کے متعلق سوال فرمایا۔ کہ تم اسکو مفردات سے کس طرح نکالوگے (یہ سوال ممکن تھا۔ کہ میرے راستہ میں پہاڑ بنتا کہ میں آیندہ دواؤں کے نام پوچھ لیا کرتا۔ مگر مینے خیال کیا کہ ایک ایک دوا کے بیس بیس نام ہوتے ہیں۔ خود حکیم صاحب بھی مجھے کب بتا سکتے ہیں، مینے اپنے مطالعہ کی عادت کے باعث جلد اُس کا جواب حاصل کر لیا جسپر وہ خود مطمئن ہوگئے۔ دوسری بات نسخہ نویسی کے متعلق تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اُن کے نسخے لکھا کروں اور مجھے مطلوب تھا کہ میں علم پڑھوں۔ جس وقت میں بیماروں کا گھمسان دیکھتا۔ تو اپنے دوسرے اساتذہ کے پاس اور علوم کے واسطے چلا جاتا۔ کیونکہ حکیم صاحب کے پاس صبح سے عشا تک اپنا ضروری سبق بھی بمشکل ختم ہو سکتا تھا ایک دن مرض ماشرہ کا مبتلا ایک بیمار آیا اس کا سر اس قدر موٹا ہوگیا تھا جیسے ہاتھی کا۔ اُس کے ہونٹوں اور آنکھوں کی شکل بھی بڑی بھیانک تھی۔ میں اس سے دو تین روز پہلے یہ مرض پڑھ چکا تھا۔ مگر مریض کو دیکھ کر سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ماشرہ ہے۔ ادھر حکیم صاحب نے فرمایا کہ اس کا

نسخہ لکھو۔ میں سخت گھبرا گیا۔ آخر میرے پاس تو دعا ہی کا ہتھیار تھا معاً حکیم صاحب نے بیساختہ فرمایا کہ ایسے ماشرہ دنیا میں کم دیکھنے میں آتے ہیں تب میں نے عرض کیا کہ اس مریض کو دیکھنے میں بہت جھگڑا ہو گیا ہے۔ یہ اس کو مکان پر لے جائیں اور پھر آ کر نسخہ لے جائیں۔ اس طرح وقت کو ٹلا دیا اور خود اپنے کمرہ میں جاکر حکیم صاحب کی زیر نظر کتابیں شرح گیلانی قانون پر ترویح الارواح طبری اور مجموعہ بقائی کو دیکھنا شروع کیا۔ اور ان تمام کتابوں سے ایک مشترکہ نسخہ ضماد اور طلاء اور کھانے کا لکھ لیا۔ اور کتابیں اپنی اپنی جگہ پر رکھوا دیں۔ اور نسخے قریباً یاد کر لئے۔ تیمار دار دیر کے بعد آیا اور حکیم صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ آپ نے نسخہ لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ ابھی لکھ دیتا ہوں۔ قلم اٹھا کر نسخے لکھ دیئے اور حکیم صاحب کے حضور پیش کئے۔ حکیم صاحب نے انکو دیکھ کر مجھے اشارہ کیا کہ شرح گیلانی ترویح اور مجموعہ بقائی لاؤ۔ میں لایا۔ میرے نسخوں کو سامنے رکھ کر سرسری نظر ان کتابوں پر ڈال لی اور نسخے تیماردار کو دے دیئے۔ جب فراغت ہوئی تو اپنا بیاض بڑی محبت سے مجھ کو عطا کیا اور فرمایا تم اس کے اہل ہو۔ دیگر آپ حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ میں نے دیکھا اس میں کچھ نسخے تھے۔ اس بیاض کو میں نے مطب میں ہی چھوڑ دیا۔ اور اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ کسی دوسرے وقت حکیم صاحب آئے اور بیاض کو اسی طرح کھلا پڑا ہوا دیکھ کر اٹھایا اور مجھے دیا۔ میں نے عرض کیا اس کو کیا کروں۔ نسخہ لکھنا تو تشخیص پر منحصر ہے اور اس میں کوئی تشخیص نہیں اس پر متبسم ہو کر کہا کہ بات تو ٹھیک ہے۔ تیسری بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ درسی کتب میں قانونچہ۔ موجز۔ اقصرائی۔ نفیسی۔ سدیدی۔ شرح اسباب کا

لمبا سلسلہ مجھے حیرت زدہ کرتا تھا۔ اور مجھ کو یقین تھا کہ جیسے اور علوم میں ملکہ پیدا ہونے کے بغیر کوئی علم نہیں آسکتا۔ اسی طرح طب بھی ایک ملکہ کے بغیر کیونکر مفید ہوسکتی ہے جیسے درسی کتابوں میں علی العموم یہ غلط راہ اختیار کی گئی ہے کہ مختصرات اور حواشی در حواشی میں وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ دودھ کا جلا چھاچھ کو بھی پھونکنے لگا۔ مجھ کو اپنی گذشتہ عمر کے ضائع ہونے کا سخت ہی افسوس تھا۔ اس لئے میں نے صرف قانون ہی کا پڑھ لینا اور وہ بھی صرف عملی حصّہ کا پڑھنا پسند کیا تھا۔ حکیم صاحب نے ایک دن مجھے فرمایا کہ تم شرح اسباب ہمارے سامنے کسی کو پڑھاؤ۔ جس کو میں نے بطیب خاطر پسند کیا۔ اور ایک شخص مولوی محمد اسحاق ساکن نگینہ کو شرح اسباب حکیم صاحب کے سامنے پڑھانی شروع کی اور اس میں مجھے کامیابی ہوئی۔ یہ باتیں اس لئے ذکر کر دی ہیں کہ کسی کو فائدہ ہو۔

میں جس زمانہ میں طب پڑھتا تھا۔ اُن دنوں مجھ کو متنبّی پڑھنے کا بھی خیال ہوا۔ لہذا میں مفتی سعد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہت الحاح سے میں نے اُنکی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو آپ ایک سبق پڑھا دیا کریں۔ انھوں نے بہت روکھے الفاظ میں یہ فرمایا کہ ہم کو فرصت نہیں میں نے کہا اچھا۔ اب ہم اُسی وقت پڑھیں گے جب آپ ہماری منّت کرینگے میں مکان پر آیا۔ اور میں نے حکیم صاحب سے عرض کیا کہ میں علم پڑھنا پسند نہیں کرتا انھوں نے فرمایا کیوں؟ میں نے کہا علم سے فائدہ کوئی نہیں۔ آپ مجھے غایتِ علم بتائیں کہ علم سے نتیجہ کیا ملے گا انھوں نے فرمایا کہ علم سے اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ بات کیا ہے ذرا ہم سے بیان تو کرو۔ میں نے کہا مفتی سعد اللہ صاحب کے پاس گیا تھا۔ اُن سے

کچھ پڑھنا چاہتا تھا۔ انھوں نے بڑے روکھے پن سے کہا کہ ہم کو فرصت نہیں۔ حکیم صاحب نے مطب میں سے ایک پرچہ اُٹھا کر مفتی سعد اللہ صاحب کے نام رقعہ لکھا۔ کہ جب آپ کچہری سے فارغ ہوں تو اسی راستہ سے تشریف لائیں اور مجھ سے ملتے ہوئے جائیں۔ رقعہ بھجوا دیا اور مفتی صاحب کچہری سے اُٹھ کر سیدھے حکیم صاحب کے پاس آئے مجھ کو حکیم صاحب نے پہلے سے کہدیا کہ تم اپنی کوٹھری میں چلے جاؤ جب مفتی صاحب تشریف لائے۔ تو حکیم صاحب نے فرمایا کہ اگر میں پڑھنا چاہوں تو آپ کو میرے پڑھانے کے لئے کچھ وقت مل سکے گا۔ مفتی صاحب نے بڑے زور شور سے کہا کہ ہاں وقت بہت مل سکتا ہے۔ اور ہم جس وقت کے لئے آپ کہیں فرصت نکال سکتے ہیں حکیم صاحب نے کہا اگر کوئی ہمارے پیر و مرشد پڑھنے لگیں؟ مفتی صاحب نے کہا اُن کو تو جہاں وہ چاہیں ہم خود جا کر پڑھا دیا کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد حکیم صاحب نے مجھ کو بُلوایا۔ میں جب آیا تو مجھ کو آتے ہوئے دیکھ کر مفتی صاحب ہنس پڑے اور کہا کہ آؤ صاحب ہم اب آپکی منت کرتے ہیں کہ آپ پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ طالب علم کے لئے فرشتے پر بچھاتے ہیں یہ بہت صحیح ہے۔ بارے خدا تعالےٰ کے فضل سے انھوں نے سبق مجھے شروع کرایا۔ ہم کچھ نخرہ بھی کرتے رہے مگر یہ شکایت میں اب تک بھی کرتا ہوں کہ باوجود اسکے کہ میں بڑے بڑے علماء کی خدمت میں جاتا تھا کسی نے نہ تو اخلاقی تعلیم دی اور نہ کسی کتاب کا مشورہ دیا۔ نہ آئندہ کی ضرورتوں سے آگاہ کیا +

ایک مرتبہ طالب علموں میں مباحثہ ہؤا۔ کہ اہلِ کمال اپنا کمال کسی کو بتاتے ہیں یا نہیں؟ میرا دعویٰ تھا کہ اہلِ کمال تو اپنا کمال سکھانے اور بتانے کے لئے تڑپتے ہیں۔ مگر کوئی سیکھنے والا نہیں ملتا۔ باقی تمام طالب علم کہتے تھے کہ سیکھنے والے بہت ہیں۔ مگر وہ سکھاتے ہی نہیں۔ مینے کہا تم یوں تو مانتے نہیں اور نہ تم ہارنا جانتے ہو۔ کوئی صاحبِ کمال بتاؤ۔ اس کے پاس چلکر اُسی سے فیصلہ کرائیں۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ یہاں امیر شاہ صاحب عامل ایک باکمال ہیں۔ اُن کا ایک باغیچہ شہر کے اندر تھا۔ سب طالب علم اُن کے مکان پر چلے گئے۔ وہ ایک لکڑی کے تخت پر تکیہ لگائے لیٹے ہوئے تھے۔ اور پاس ہی زمین پر ایک چھوٹی سی چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ جو ہمارے بڑے طالب علم اور زیادہ مستحق تھے۔ وہ فوراً سب سے پہلے چٹائی پر بیٹھ گئے۔ باقی بہت سے طالبعلم زمین پر ہی بیٹھ گئے۔ چونکہ مجھ کو زمین پر بیٹھنے کی قطعاً عادت نہ تھی اور اب بھی مجھے بڑی نفرت ہوتی ہے۔ میں سامنے کی ایک کچّی دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ جب سب بیٹھ گئے۔ تو امیر شاہ صاحب نے بڑی حقارت سے کہا۔ "او اُلّو! کس طرح آئے"۔ مینے عرض کیا ایک مقدمہ ہے جس میں یہ سب لوگ مدعی اور میں مدعا علیہ ہوں۔ یا میں مدعی ہوں اور یہ سب مدعا علیہ ہیں۔ آپ سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ تب انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم کھڑے کیوں ہو؟ مینے عرض کیا کہ چٹائی بہت چھوٹی ہے جو ہمارے اعزاز کے قابل طالب علم تھے۔ وہ بیٹھ گئے اب کوئی جگہ نہیں اس لئے میں کھڑا ہوں۔ انھوں نے فرمایا تم ہمارے پاس آجاؤ۔ میں فوراً تخت پر ان کے پاس جا بیٹھا طالبعلموں کا تو اسی وقت فیصلہ ہو گیا۔ مگر انھوں نے

مقدمہ سنکر صاف لفظوں میں مجھ سے کہا کہ تم سچے ہو اور ہم غلطی پر ہیں
میں نے کہا بس فیصلہ ہو گیا اب جاتے ہیں۔ میں جب اٹھ کے چلنے لگا تو
انھوں نے مجھ کو پھر بٹھایا۔ اور خود اٹھ کر ایک قریب کی کوٹھری میں گئے
وہاں سے ایک قلمی ضخیم کتاب لائے۔ میں نے اس کو دیکھا تو وہ عملیات کی
کتاب تھی۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ میری ساری عمر کا اندوختہ یہی ہے اور میں
یہ کتاب تم کو دیتا ہوں۔ میں نے کہا میں تو طالب علم آدمی ہوں۔ ابھی پڑھتا ہوں
مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سنکر وہ چشم پر آب ہو گئے اور کہنے لگے کہ
ہم تو دیتے ہیں اور تم لیتے نہیں یہ لوگ مانگتے ہیں اور ہم دیتے نہیں۔ پھر
بھی جب میں اٹھنے لگا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم ایک بات عملیات کے متعلق
کہتے ہیں۔ اس کو سن لو۔ جب کوئی شخص تمہارے پاس کسی غرض کے لئے
آئے تو تم کو چاہیئے کہ تم جناب الٰہی کی طرف جھک جاؤ۔ اور یوں التجا
کرو کہ الٰہی میں نے اس کو نہیں بلایا۔ تو نے خود بھیجا ہے۔ جس کام کے لئے
آیا ہے اگر وہ کام تجھ کو منظور نہیں تو جس گناہ کے سبب میرے لئے
تو نے یہ سامان ذلت بھیجا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر بھی دوبارہ
تمہاری اس دعا مانگنے کے بعد وہ شخص اصرار کرے تو دوبارہ اللہ تعالیٰ
کے حضور دعا مانگ کر اس کو کچھ لکھ دیا کرو۔ مجھ کو امیر شاہ صاحب کے بتائے
ہوئے اس نکتہ نے آجتک بڑا فائدہ دیا۔ مگر ان طلباء نے مطلق توجہ
نہیں کی اور ان کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی کہ انھوں نے کیا بتا دیا۔ جب وہاں
سے باہر نکلے تو طالب علموں نے میری نسبت کہا کہ اس کو حب کا عمل آتا
ہے اس نے کھڑے ہو کر ان پر بھی حب کا عمل ڈالا۔ اور وہ اس کے
قابو میں آگئے اور اسی واسطے یہ ہمیشہ بڑے بڑے امیروں اور معززوں

ہیں رہتا ہے اور سب اسکی خاطر کرتے ہیں۔ یہاں میں دو برس حضرت
حکیم صاحب کے حضور میں حاضر رہا اور بمشکل قانون کا عملی حصہ ختم کیا۔ بعد حصول
سند و اجازت رخصت مانگی کہ اب میں عربی کی تکمیل اور حدیث پڑھنے
کے لیئے جاتا ہوں۔ آپ نے مجھے میرٹھ اور دہلی جانے کا مشورہ دیا۔ اور
نہایت محبت سے فرمایا کہ ہم معقول خرچ ان دونوں شہروں میں تمہیں
بھیجا کریں گے۔ مگر جب میں میرٹھ پہنچا تو حافظ احمد علی صاحب کلکتہ
کو چلے گئے تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب مجاہدین کو روپیہ پہنچانے
کے مقدمہ میں ماخوذ تھے۔ ان دونوں سے ایک حرف پڑھنا بھی نصیب نہ
ہوا (اگرچہ پھر آخر میں ایک وقت میں نے حافظ احمد علی صاحب سہارنپوری
سے بہت کچھ استفادہ کیا۔ مگر وہ طالب علمی کا وقت نہ تھا) اور میں
بھوپال پہنچ گیا۔

بھوپال میں پہلی مرتبہ

بھوپال جاتے ہوئے دو باتیں رستہ میں پیش آئیں۔ ایک یہ کہ جب میں
گوالیار پہنچا۔ تو میری ایک ایسے بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ جو حضرت
سید احمد صاحب بریلوی کے مخلصوں میں سے تھے۔ مجھ کو کچھ ان کی
صحبت میں ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ میں وہیں رہ پڑا۔ مجھ سے باتیں
کرتے کرتے انھوں نے یہ دو شعر پڑھے۔ **شعر**

نہ کر عوض مرے عصیان و جرم بیحد کا — کہ تیری ذات غفور الرحیم کہتے ہیں
کہیں نہ کہدے عدو دیکھ کر مجھے غمگیں — یہ اس کا بندہ ہے جسکو کریم کہتے ہیں

ان شعروں کا اثر جو میرے دل پر ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آج اس بات
کو شاید پچاس برس کے قریب زمانہ گذرتا ہے۔ لیکن وہ لذت اب تک

بھی فراموش نہیں ہوئی۔ اگرچہ ادعیہ مسنونہ کی برابری یہ دُعا نہیں کر سکتی۔ مگر معلوم نہیں کہ کیسے دل سے نکلی تھی۔ جس میں عجیب قسم کا اثر ہے۔

وہاں سے چلکر میں گو نہ نام ایک چھاؤنی میں پہنچا۔ میرے پاؤں بہت زخمی ہو گئے تھے اور چلنے کی تاب اُن میں بالکل باقی نہ تھی۔ کیونکہ میں بہت ہی تھک گیا تھا۔ ایک مسجد میں جو چھاؤنی میں تھی جاکر آرام کیا یہ مسجد کچھ ویران ہی سی معلوم ہوئی۔ رات بہت چلی گئی تو ایک شخص نماز پڑھنے آیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم بہت دیر کرکے نماز پڑھنے آئے ہو۔ اُس نے کہا کہ ہم کاروباری لوگ ہیں۔ یہاں بڑے اتفاق سے رہتے تھے۔ یہ مسجد بھی بڑی آباد تھی۔ یہاں رفع یدین اور آمین بالجہر پر آپس میں ایسا جھگڑا ہوا۔ قریب تھا کہ یہ مسجد گنج شہیداں ہو جائے آخر ایک دُنیا دار نے سب کو کہدیا۔ کہ نمازیں اپنے اپنے گھر میں پڑھو۔ اور اپنے کاروبار کرو۔ کیوں مولویوں کے کہنے سے تباہ ہوتے ہو۔ چنانچہ سب نے مسجد کی نماز چھوڑ دی ہے اور اپنے اپنے گھروں میں لوگ پڑھتے ہیں۔ مگر میرا دل مسجد کے سوا نہیں لگتا۔ اس لئے میں ایسے وقت مسجد میں آتا ہوں۔ جبکہ کوئی محلہ کا آدمی مجھ کو مسجد میں آتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ میں نے کہا ممکن ہو تو تم کل ان لوگوں کو بلاؤ۔ ہم اُن کو کچھ سنانا چاہتے ہیں۔ وہ نماز پڑھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد کھچڑی لایا۔ جو ہم دونوں رفیقوں کے لئے کافی سے زیادہ تھی۔ دوسرے دن بہت سے آدمیوں کو اکٹھا کرکے لایا۔ میں نے ان کو باہمی عداوت کے متعلق بہت سمجھایا۔ اور بتایا۔ کہ دیکھو خدا تعالےٰ واحد ہے۔ رسولؐ واحد ہے۔ کتاب واحد ہے۔ قبلۂ توجہ واحد ہے۔ فرایض میں بھی

قریباً اشتراک ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے اتنے بڑے عظیم الشان کام جماعت کو چھوڑ دینا لوگوں کی غلطی ہے میری تقریر کا بہت اثر ہوا بہت سے لوگ میرے ہمدرد ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص ڈاکٹر حبیب اللہ خاں نے میرے ساتھ میرے پاؤں کے زخموں کے متعلق بڑی بڑی ہمدردیاں کیں۔ آخر وہ سانبھر جھیل کو تبدیل ہو گئے تھے۔ میرے ساتھ اپنے آخری دم تک اپنی محبت کو انھوں نے بہت نباہا۔ میں قادیان میں تھا جب اُن کا انتقال ہوا ہے۔ وہ ہمیشہ بڑی محبتوں کا اظہار میرے ساتھ کرتے رہے (٥٥٥،٥٥) مجھے ان مسائل کے متعلق بڑا اہی تعجب آیا کرتا ہے کہ یہ کیا جھگڑے ہیں۔ اگر ہماری قوم کے ملاح ان چھوٹے چھوٹے مسئلوں کے باعث عوام کو جوش نہ دلائیں تو میرے نزدیک خود ان علماء اور گدی نشینوں کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچے۔ مگر طالب علمی میں ان کو پاک باتوں کی طرف توجہ کم دلائی جاتی ہے۔ اور طالب علمی میں پاک صحبتیں ان لوگوں کو بہت ہی کم نصیب ہوتی ہیں اور بد قسمتی سے اخلاق کے متعلق عملی کتاب کوئی نہیں۔

گونہ چھاؤنی سے چلا میرے ساتھ محمود نامی ایک افغان نہایت خوبصورت نوجوان تھا ہم نے گونہ سے تھوڑا اہی فاصلہ طے کیا ہو گا کہ ایک زمیندار نے ہم سے کہا کہ اس سڑک پر مری ہے دمری وہ ہیضہ کو کہتا تھا، دوسری سڑک پر چلو۔ لیکن محمود ایک بڑا متوکل آدمی تھا۔ توکل کے غلط معنے جس میں آجکل علی العموم مسلمان گرفتار ہو کر کاہل اور سست ہو گئے ہیں۔ اس میں وہ بھی گرفتار تھا۔ اُس کے کہنے پر محمود نے پرواہ نہ کی۔ میں نے بھی روکا۔ مگر اس نے کہا خبر واحد ہے کیا اعتبار۔ میں نے

محمود سے کہا کہ میں بیزار ہوں مگر مجبور ہوں۔ آخر ہم چلے چند منٹ میں محمود خود ہیضہ میں مبتلا ہو گیا۔ دور سے ایک گاؤں نظر آتا تھا ہم نے بہت کوشش کی کہ جلد وہاں پہنچیں مگر ایک ہی اجابت نے محمود کو مضمحل کر دیا۔ آخر گاؤں کے پاس پہنچے۔ گاؤں والوں نے بالکل روک دیا۔ اور ہم نے ایک املی کے درخت کے نیچے ڈیرا کر دیا۔ محمود کی حالت وقتاً فوقتاً بگڑتی گئی۔ اور دو تین روز کے بعد اس نے انتقال کیا اُس کے دفن کرنے میں اور اتنے روز کھانا نہ ملنے میں مجھے بہت دقت ہوئی۔ مرنے کے بعد میں نے گاؤں کے نمبر دار کی دفن کے لئے بڑی منت کی۔ مگر وہ ایک زر خطیر لے کر راضی ہوا۔ اور پھر بھی کہا کہ میت کو ہم میں سے کوئی نہ اُٹھائے گا۔ ہاں ہم ایک گہرا گڑھا کھود دیتے ہیں میں نے محمود کو خود اُٹھا کر گڑھے میں ڈالا۔ اور نماز جنازہ تب یاد آئی۔ جب مٹی برابر کر چکے۔ ایک مسلمان جو صرف ایک ہی مسلمان گاؤں میں تھا۔ اور اس کا نام گرجن اور ایک اُس کا بھائی جس کا نام ارجن تھا۔ اور جس کو میں نے ہر چند اپنی امداد کے لئے کہا تھا اور وہ انکار کر چکا تھا۔ اس کا اکلوتا بیٹا ہیضہ میں گرفتار ہو گیا۔ کچھ تو وہ مشرکانہ خیال کے باعث اور کچھ اس سے کہ مجھ کو محمود کا علاج کرتے بھی دیکھا تھا۔ میرے پاس دوڑتا اور روتا ہوا آیا۔ اور کہا ہمارے گھر چلو۔ اور بھوجن بھی کھاؤ۔ میں چلا گیا۔ اور اس کے لڑکے کو یہ دوائی دی۔ گل ناشگفتہ عشر دآک، تولہ ۱ سہاگہ بریاں ۵ ماشہ۔ دار فلفل ۵ ماشہ۔ لونگ ۵ ماشہ۔ زنجبیل ۵ ماشہ۔ گولی بنائی اور نیم کی اندر چھال کے پانی کے ساتھ دی۔ اور لہسن کوٹ کر اُسکے ناخنوں پر باندھ دیا۔ لڑکا سنبھل گیا۔ اس کی ماں نے تازہ چوکا بنا کر مجھ کو

اس کے اندر بیٹھا کر کھانا کھلایا۔ شہر میں مرض کی شدت بڑی ہو گئی اور ہم وہاں طبیب ہو گئے۔ نمبردار نے ہمارا روپیہ واپس کر دیا۔ اور مجھے کہا کہ آپ کو میں معہ آپ کے اسباب کے بھوپال پہنچا دوں گا۔ اس نے اپنے عہد کو بڑی وفاداری سے نبھاہا۔ اسی راستہ میں میں نے حضرت شاہ وجیہہ الدین کے (جو ہمارے شیخ المشائخ شاہ ولی اللہ صاحب کے بڑے تھے) گنج شہیداں کو دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے میں بہت فائدہ اٹھایا۔ وہاں شاہ صاحب کو کنگن ولی کہتے تھے۔

میں بھوپال پہنچا۔ تو میرے پاس کچھ روپیہ تھا۔ جس کو مینے اپنے اسباب کے ساتھ بیرونی سرائے میں رکھا اور ایک روپیہ اس میں سے نکال لیا۔ کیونکہ بلا کسی خاص اجازت کے شہر کے اندر کسی اجنبی کو جانے نہیں دیتے تھے اس لئے مینے بیرونی سرائے میں اسباب رکھ کر کپڑے بدلے اور وہ ایک روپیہ رومال میں باندھ کر شہر میں چلا گیا۔ شہر میں تھوڑی دور چلکر ایک باورچی کی دوکان آئی۔ وہاں جاکر مینے کھانا کھایا۔ اُس باورچی نے آٹھ آنے مجھ سے مانگے۔ مینے اس کو روپیہ دیا۔ اس نے مجھ کو اٹھنی واپس دی۔ وہ اٹھنی لے کر میں چلا اور قلعہ دار سے اجازت حاصل کی۔ تھوڑی دیر کے بعد جو دیکھتا ہوں تو وہ اٹھنی کہیں گر گئی تھی۔ جب واپس سرائے میں پہنچا تو میرا اسباب تو بالکل محفوظ تھا۔ مگر روپے ندارد۔ دوسرے دن میں اسباب کو لے کر جب دروازہ شہر میں داخل ہوا۔ تو یہ فکر تھی کہ کتابیں وغیرہ کہاں رکھوں۔ جب اسی باورچی کی دوکان کے سامنے سے گذرا تو اس نے کہا کہ کھانا کھالو۔ مینے اپنی کتابیں اور اسباب اسی دوکان پر رکھ کر بلا تکلف خوب کھانا کھالیا۔ میرے دل میں

تھا۔ پیسے تو پاس ہیں نہیں۔ مگر آخر تمام اسباب آٹھ آنہ کا بھی نہ ہو گا؟
میں اسباب وہیں رکھ کر چلا آیا۔ بھوپال میں باجی کی مسجد بڑی عمدہ ہوادار
جگہ اور تالاب کے کنارے پر تھی۔ مجھ کو پسند آئی۔ میں زیادہ حصّہ اسی
میں رہتا تھا۔

اب میں اس باورچی کی دکان کی طرف بھی نہیں جا سکتا تھا۔ مجھ کو
بہت وقتوں تک کھانے کا موقعہ نہ ملا۔ ایک دن مینے دل میں یقین
کیا۔ کہ آج شائد شام تک نہ بچوں گا۔ اُس باجی کی مسجد میں ایک چبوترہ
تھا۔ عصر کے بعد میں ٹیک لگا کر اُس چبوترہ پر بیٹھ گیا۔ اور پھر لیٹ گیا
میرے بدن سے پسینہ جاری تھا۔ اور خیال تھا کہ شام تک شائد ہی
زندہ رہوں۔ اسی وقت وہاں منشی جمال الدین مدار المہام نماز کے لئے
آئے۔ اور نماز پڑھ کر اپنے امام صاحب کو میرے پاس بھیجا۔ اس وقت
میں تو جان سے بھی بیزار تھا۔ لہذا امام صاحب نے جو کچھ مجھ سے کہا۔ اُس کا
جواب مینے بہت روکھا سوکھا دیا۔ معلوم نہیں کہ امام صاحب نے کیا
جا کر کہا ہو گا۔ مگر اُن کے پہنچتے ہی منشی صاحب معہ اپنے ہمراہیوں کے
خود میرے پاس چلے آئے۔ ضعف کے باعث میں اُٹھ نہیں سکتا
تھا۔ اور میری عادت بھی نہ تھی۔ امام صاحب نے ہی آگے بڑھ کر
مجھ کو کہا کہ منشی صاحب آتے ہیں۔ مینے کہا آنے دو۔ منشی صاحب آئے
اور میں لیٹا رہا۔ منشی صاحب نے کہا آپ پڑھے ہوئے ہیں مینے کہا ہاں
پھر انھوں نے کہا۔ آپ کیا کیا علوم جانتے ہیں۔ مینے کہا سبھی کچھ جانتا ہوں
تب انھوں نے اپنی نبض مجھ کو دکھائی۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں مینے نبض
کس احتیاط سے دیکھی۔ اس روز اُن کو بہت کچھ بدہضمی ہو چکی تھی مینے

نبض دیکھ کر کہا کہ بدہضمی ہے۔ انھوں نے مجھ سے نسخہ طلب کیا۔ میں نے ان کو نسخہ لکھوا دیا جو بہت قیمتی تھا۔ انھوں نے کہا۔ اگر فائدہ نہ کرے۔ میں نے اس کا جواب نہایت سختی سے دیا۔ پھر انھوں نے کہا آپ علم مساحت جانتے ہیں؟ میں نے کہا جانتا ہوں۔ سامنے تالاب تھا۔ جو بہت بڑا تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ یہاں بیٹھ کر اس تالاب کی مساحت کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں میں نے ایک قاعدہ کی طرف اشارہ کیا۔ کہ یہ تو ایک قلم کے ذریعہ سے کر سکتے ہیں۔ بس اس کے بعد وہ سب لوگ چلے گئے۔ راستہ سے انھوں نے کہلا کر بھجوایا کہ ہم آپ کی ضیافت کرتے ہیں۔ میں نہ اُٹھ سکتا تھا نہ جا سکتا تھا۔ میں نے کہا مجھ کو ضیافت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تب انھوں نے کہلا کر بھجوایا کہ مسنون دعوت ہے۔ میں نے سوچا۔ مرتے تو ہیں آخر وقت سنت پر تو عمل ہو۔ اور کہا کہ بہت اچھا دعوت منظور ہے۔ غالباً دن ابھی بہت باقی تھا کہ ایک سپاہی آیا اور کہا کہ کھانا تیار ہے چلو۔ میں نے اس سے کہا کہ میں چل نہیں سکتا۔ اُس نیک انسان نے کہا کہ آپ میری پیٹھ پر سوار ہو جائیں۔ چنانچہ میں اسکی پشت پر سوار ہو گیا۔ اور وہ مجھ کو خوب احتیاط سے لے گیا۔ وہاں کھانا دسترخوان پر چُنا جا چکا تھا۔ اُس سپاہی نے لیجا کر مجھ کو منشی صاحب کے پاس ہی بٹھا دیا۔ میں نے اُس وقت بہت غور کیا۔ کہ کیا چیز ہے جو کھاؤں۔ پلاؤ کے ساتھ مجھ کو رغبت نہ تھی۔ میں نے پُلاؤ کی رکابی میں سے لقمہ اُٹھایا۔ جب مُنہ کے قریب لے گیا۔ تو ڈرا کہ ایسا نہ ہو گلے میں پھنس جائے اور جان نکل جائے اس واسطے پلاؤ کے لقمہ کو پھینک دیا۔ پھر جو غور کیا تو ایک برتن میں مُرغ کا شوربا تھا۔ میں نے اس کو اُٹھا لیا اور ایک بہت چھوٹا سا گھونٹ بھرا۔ تو میری آنکھوں میں روشنی سی آ گئی۔ پھر ایک گھونٹ بھرا۔ اسی طرح آہستہ آہستہ

مَیں نے اس کو پینا شروع کیا۔ منشی صاحب نے اپنے باورچی کو بُلایا۔ اور دریافت کیا کہ اِس پلاؤ میں کیا نقص ہے اُس نے کہا کہ اس میں نقص تو کوئی نہیں ہاں اس کے مرغ میں کسی قدر داغ لگ گیا تھا۔ چونکہ یہ برتن بڑا ہے۔ اور چاولوں کی زیادہ مقدار اس میں ہے۔ مَیں نے وہ داغ لگا ہؤا گوشت نیچے دبا دیا ہے۔ منشی صاحب نے اِس میں سے ایک لقمہ اُٹھا کر سونگھا۔ مگر اُن کو کچھ محسوس نہ ہؤا۔ وہ یہ سمجھے کہ اِس نے سونگھ کر اس نقص کو محسوس کیا اور لقمہ چھوڑ دیا۔ پھر اُنھوں نے باورچی سے کہا کہ ان تمام کھانوں میں سب سے عمدہ پکا ہؤا کھانا کونسا ہے۔ اس نے کہا شوربا۔ جس کا پیالہ اُن کے ہاتھ میں ہے۔ خیر مَیں نے وہ شوربا قریباً تمام ہی پی لیا۔ اور وہ اُس وقت میرے لئے بہت ہی مفید ہؤا۔ میرے ہوش و حواس اور قویٰ ٹھیک ہو گئے۔ جب کھانے سے سب فارغ ہو گئے تو اور لوگوں کو ہٹا دیا۔ اور مجھ سے پُوچھا کہ تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ اُن دنوں میرا لہجہ اردو کا لکھنوی طرز پر تھا۔ مَیں نے کہا کہ مَیں ایک پنجابی آدمی ہوں اور یہاں پڑھنے کے لئے آیا ہوں یہ بات میرے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئی۔ منشی صاحب کو یہ گمان تھا کہ یہ کوئی آسودہ حال صدمہ رسیدہ اور حوادث کا پامال ہے۔ پڑھنے کا یونہی نام لیا ہے ورنہ یہ خود عالم ہے تب انھوں نے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیں اور میرے ساتھ ہی کھانا کھایا کریں۔ جہاں آپ کو پڑھنا ہوگا مَیں کوشش کر دُونگا۔ اُن کا ایک توشہ خانہ تھا۔ اُس میں رہنے کے لئے جگہ دی۔ اور اپنے مہتمم کتب خانہ کو حکم دیا۔ کہ کسی کتاب سے انکو مت روکو۔ مَیں نے کہا میرے پاس بھی کتابیں ہیں۔ ایک دکان پر مَیں نے اپنا سامان رکھ دیا ہے۔ اس دکاندار کو کچھ دینا ہوگا۔ وہاں سے سامان منگوا دیں۔ جو دینا ہوگا مَیں دیدُونگا

تھوڑی دیر کے بعد سب سامان معہ کتابوں کے پہنچ گیا۔ اور میں اُن کے
توشہ خانہ میں رہنے لگا۔ حضرت مولوی عبدالقیوم صاحب سے میں نے بخاری
اور ہدایہ دو کتابیں شروع کیں۔ حضرت منشی صاحب مغرب کے بعد خود
قرآن شریف کا لفظی ترجمہ پڑھایا کرتے تھے ایک روز میں بھی اس درس
میں چلا گیا۔ وہاں یہ سبق تھا۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ
اِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ۔ محمد عمر اُن کا نواسہ قاری تھا۔ میں نے کہا کیا
اجازت ہے؟ ہم لوگ کچھ سوال بھی کریں۔ منشی صاحب نے فرمایا۔ خوشی۔
میں نے کہا یہاں بھی منافقوں کا ذکر ہے۔ اور نرم لفظ بولا ہے یعنی بَعْضُھُمْ
اِلٰی بَعْضٍ اور اس سورۃ کے ابتدا میں جہاں انہیں کا ذکر ہے وہاں بڑا
تیز لفظ ہے۔ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ اس نرمی اور سختی کی وجہ کیا
ہوگی؟ منشی صاحب نے فرمایا کیا تم جانتے ہو میں نے کہا میرے خیال میں
ایک بات آتی ہے۔ کہ مدینہ منورہ میں دو قسم کے منافق تھے ایک اہل کتاب
ایک مشرک۔ اہل کتاب کے لئے نرم یعنی بَعْضُھُمْ کا نرم لفظ اور مشرکین کے
لئے سخت اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ بولا ہے منشی صاحب سُنکر اپنی مسند پر سیدھے کھڑے
ہوگئے۔ اور میرے پاس چلے آئے۔ مجھ سے کہا کہ آپ وہاں بیٹھیں اور میں بھی
اب قرآن شریف پڑھوں گا۔ قدرت الٰہی ہم وہاں ایک ہی لفظ پر قرآن کریم
کے مدرس بن گئے۔

منشی صاحب کو دن بدن مجھ سے محبت بڑھتی جاتی تھی۔ اُن کے دربار میں
ایک روز کوئی اخلاقی مسئلہ پیش ہوا۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ قاضی شہر
نے شاہ اسحاق صاحب کی نسبت کوئی سخت لفظ بولا۔ صرف اتنی غیرت پر میں
وہاں سے اُٹھ کر چلا آیا۔ کھانے کے وقت میں منشی صاحب کے یہاں نہیں گیا۔

وہ مجھ سے اتنی محبت کرتے تھے۔ کہ اس روز خود بھی کھانا نہیں کھایا۔ میں نا سمجھ سے ناتجربہ کار۔ مجھ کو خبر نہیں تھی کہ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں۔ دوسرے دن انھوں نے کسی آدمی سے دریافت کیا کہ نورالدین عصر کی نماز کہاں پڑھتا ہے۔ اس نے کہا کہ توشہ خانہ کے پاس کی مسجد میں۔ میں وہاں عصر کی نماز پڑھتا تھا۔ خود منشی صاحب میری داہنی طرف آکر بیٹھ گئے۔ مَیں نے جو سلام پھیرا اور کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ فوراً فرمانے لگے آخاہ! آپ نے تو ابتداء کر دی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا۔ ایک بگھی جس کو وہاں چرٹ کہتے تھے۔ اس میں اپنے ساتھ سوار کر کے شہر سے باہر بہت دُور لے گئے۔ باہر جا کر مجھ سے کہا کہ آپ نے توکّل سے ہم کو بھوکا رکھا۔ میں نے کہا آپ کی محفل میں شاہ اسحاق صاحب کی بُرائی ہوتی ہے۔ اور میں تو شاہ صاحب کا عاشق ہوں۔ منشی صاحب نے فرمایا آپ نے شاہ اسحاق صاحب کو دیکھا ہے؟ مَیں نے کہا نہیں۔ کہا میں نے تو شاہ صاحب کی خدمت میں قرآن شریف پڑھا ہے۔ میں شیعہ تھا۔ اور سخت شیعہ تھا مگر ہمارا گھر دہلی میں ایسی جگہ تھا کہ شاہ صاحب کے سامنے سے ہو کر جانا پڑتا تھا۔ آخر مَیں شاہ صاحب کے درس میں شریک ہوا اور انھیں کی صحبت کا نتیجہ ہے کہ مَیں موجودہ حالت کو پہنچا۔ پھر اپنا سارا قصہ تشیع کا اور سُنّی ہونے کا سنایا۔ اور کہا کہ میں شاہ صاحب کا بہت معتقد ہوں لیکن وہ ایک سرکاری معاملہ تھا۔ جس میں اُس وقت بولنا مناسب نہ تھا۔ اور یہ لوگ ایسے ہی ہیں۔ ان کی باتوں کی طرف زیادہ التفات نہیں چاہیئے یہ کہہ کر بگھی کو لوٹایا اور مجھ کو اپنے مکان پر لے گئے کھانا کھایا اور مجھ سے کہا کہ آپ ایسی باتوں کا زیادہ خیال نہ کیا کریں۔ مَیں نے اُن کی قرآن شریف کی آیتوں سے محبت اور وقاف للقرآن ہونا اس طرح دیکھا کہ مجھ کو یاد نہیں کہ کسی ادنیٰ کو

دیکھا ہو۔

ایک دفعہ میں منشی جمال الدین صاحب کے ساتھ اُن کے باغ میں جاتا تھا راستہ میں انھوں نے پوچھا کہ حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ میں جس طرح ما سے پہلے اِذَا آیا ہے عربی کے کسی شعر میں اِسکی مثال موجود ہے؟ بچپن کی حالت بھی کیا بُری ہوتی ہے۔ مَیں اور ان کا نواسہ محمد نام بگھی میں ایک سیٹ پر بیٹھے تھے۔ اور مقابل کی سیٹ پر منشی صاحب تھے میرے مُنہ سے بے ساختہ نکل گیا ؎

اِذا ما بکی من خلفها انصرفت لہٗ
بشق وتحتی شقها لم تحول

پڑھنے کو تو یہ شعر مَینے پڑھ ہی دیا۔ مگر اس حالت کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے جب انھوں نے کہا کہ اس شعر کا ترجمہ کرو۔ مَینے میاں محمدؐ کی طرف دیکھا اور انھوں نے منہ کے سامنے کوئی چیز کرکے گردن جھکائی۔ اور مُسکرائے وہ بھی خاموش اور مَیں بھی چُپ۔ منشی صاحب کی طبیعت بہت ہی نیک تھی۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ کوئی فحش شعر ہوگا۔ اور بات کو ٹلا دیا اور سلسلہ کلام شروع کر دیا۔ اس روز مجھ کو یہ سبق ملا کہ بات کو مُنہ سے نکالنے میں انسان کو بہت زیادہ عاقبت اندیشی سے کام لینا چاہیئے۔ گو بعض اوقات زیادہ غور و خوض بھی انسان کو نقصان پہنچا دیتا ہے مگر اسکی تلافی دُعا سے ہوسکتی ہے۔ مجھ کو اپنی اس حرکت پر بڑی حیرت ہوئی۔ مگر اُنکی شرافت دیکھو کہ کسی دن بھی انھوں نے اُس شعر کے متعلق مجھ سے نہ پوچھا بھوپال میں مَیں دو دفعہ گیا ہوں طالبعلمی میں تو یہی کافی ہے کہ مَینے بخاری اور ہدایہ مولوی عبدالقیوم صاحب سے پڑھیں اور حدیث مسلسل بالاولیت

مَینے وہاں کے مفتی صاحب سے سُنی فجزاہ اللّٰہُ احسن الجزاء. جو انھوں نے محمد بن ناصر حضرمی سے روایت کی.

محمّد بن ناصر حضرمی کا ایک قصّہ مجھ کو منشی صاحب نے سُنایا کہ ایک مرتبہ وہ میرے مکان پر آئے. چونکہ بڑے نیک اور مشہور آدمی تھے. مَینے ایک ہزار روپیہ کی تھیلی اُن کے سامنے رکھی. یہ دیکھ کر اُن کے چہرہ پر بڑا تغیّر اور خفگی کے آثار نمایاں ہوئے. مَینے وہ تھیلی فوڑًا اُٹھاکر اپنے سامنے رکھ لی. تو اُنکے چہرہ پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے اور ہیں ہنس پڑا وہ کہنے لگے کہ تم کیوں ہنسے. مَینے کہا کہ مَینے روپیہ آپ کے سامنے رکھا تو آپ کے چہرہ پر تغیّر نمایاں ہُوا. اور جب مَینے روپیہ اُٹھالیا تو آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے. فرمانے لگے کہ ہاں ہمارا ارادہ تھا کہ آپ کے پاس آیا کرینگے اور آپ کو حدیث سُنائیں گے جب آپ نے روپیہ رکھا تو ہم کو رنج ہُوا. کہ یہ تو دُنیا دار آدمی ہے. حدیث میں آیا ہے کہ روپیہ کوئی دے تو واپس نہ کرو. اس لئے ہم روپیہ تو لے لیتے مگر روپیہ لے کر پھر حدیث نہ سُناتے. اب معلوم ہُوا کہ تم بڑے ذہین آدمی ہو اس لئے ضرور آیا کرینگے. اور تم کو حدیث سُنائیں گے یہ بھی فرمانے لگے کہ ہم کو روپیہ کی ضرورت نہیں ہمارے گھر میں اس قدر کھجوریں پیدا ہو جاتی ہیں جو سال بھر کے لئے کافی ہوتی ہیں. ہمارے گھر کے اونٹ ہیں ایک طرف اونٹ پر کھجوریں لادیتے ہیں. دوسری طرف غلام کو سوار کر دیتے ہیں پانی کا مشکیزہ اپنے پاس رکھ لیتے ہیں. اسی طرح حج کو جاتے ہیں اور دُور دور سفر کر آتے ہیں. کسی چیز کی اور الحمد للّٰہ ضرورت نہیں. یہ قصّہ خود منشی جمال الدین صاحب نے بلاکسی وساطت کے سُنایا. کہ محمّد بن ناصر

حضرمی (حضرموت کے رہنے والے) جب بات کرتے تھے تو بہت جلد جلد بلا تکان زبان سے الفاظ نکلتے تھے۔ مگر کوئی لفظ قرآن و حدیث کے الفاظ سے باہر نہ ہوتا۔

منشی جمال الدین صاحب کی ایک یہ بات دیکھی۔ کہ وہ ہمیشہ نابینا مرد یا نابینا عورت کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور دُور دُور سے بلواتے تھے۔ کبھی مرد و عورت دو تو نابینا ہوتے تھے۔ اور اُنکی شادی کر دیتے تھے کبھی دونوں میں ایک ہی نابینا ہوتا تھا۔ اُن سب کا تمام خرچ وہ خود برداشت کرتے تھے۔ اور ان کا ایک محلّہ آباد کیا تھا۔ اُن کے جو بچے ہوتے تھے۔ اُن کے لئے اُسی محلہ میں ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا۔ ایک روز ایک لڑکے کو جس کے ماں باپ دونوں نابینا تھے، دیکھ کر وجد کی حالت منشی صاحب پر طاری ہو گئی۔ مجھ سے کہنے لگے کہ دیکھو اسکی دونوں آنکھیں کیسی اچھی ہیں وہاں دُور دُور کے اندھے جمع تھے۔ حتّٰی کہ ایک سیالکوٹ کا بھی تھا منشی صاحب اقتصاد کے بڑے عالم تھے۔ ان کے لئے عضلہ کا ایک سیر گوشت خصوصیت سے پکتا تھا۔ ایک وقت کھانا کھاتے تھے۔ اُس گوشت میں کئی آدمیوں کو شریک کر لیتے تھے۔ ایک روز مجھ سے کہنے لگے۔ کہ میں نوجوان تھا۔ جب یہاں نوکر ہُوا۔ میں نے تین روپیہ سے زیادہ کا گوشت اب تک نہیں کھایا۔ مجھ کو سُنکر بہت تعجب ہُوا۔ تو فرمانے لگے۔ کہ میں تین روپیہ کا ایک بکرا روز خریدتا ہوں اور نماز فجر کے بعد اُس کو ذبح کر دیتا ہوں۔ ایک سیر گوشت اُس میں سے نکلوا کر باقی پر ایک سپاہی کھڑا کر دیتا ہوں کہ اسکے تین روپیہ وصول کر لے وہ باقی گوشت پوست فوراً تین روپیہ میں فروخت ہو جاتا ہے۔ اور لوگ علی الصبح آکر سب خرید لے جاتے ہیں اِس طرح ہر روز ہم کو تین روپیہ بچ

جاتے ہیں یہ طریقہ اُنھوں نے اپنے بہت سے کھانے پینے ہیں مقرر کر رکھا
تھا۔ مگر مجھ کو تو صرف گوشت کا حال سنایا تھا۔
بھوپال کے واقعات بہت ہی عجیب ہیں۔ مگر طبی امور کے متعلق صرف
یہ بات قابل ذکر ہے کہ مینے نہایت عمدہ دو صدریاں بنوائی تھیں جن کے
پہننے کی ہمیشہ مجھے عادت تھی ان میں ایک چوری گئی مجھے یقین ہؤا کہ
طالبعلمی کی حالت میں یہ ایک مصیبت ہے۔ مصیبت پر صبر کرنے والے
کو نعم البدل ملتا ہے۔ دوسری صدری کو اُسکے شکریہ میں دے دیا تھوڑے
دنوں کے بعد ایک امیر کبیر کے لڑکے کو سوزاک ہؤا۔ اس نے اپنے آدمی
کو بھیجا کوئی ایسا طبیب جسکو لوگ نہ جانتے ہوں بلا لاؤ۔ مگر وہ بنی ہوئی
دوا نہ دے بلکہ سہل دوا بتلا دے ایسی نہ ہو کہ جس کے بنانے
میں مجھے عام نوکروں کو آگاہی کرنی پڑے۔ جن سے کہا تھا ان کا نام پیر ابو احمد
مجددی تھا۔ انھوں نے کہا کہ ایک طالب علم طبیب ہے اور اُسکے طبیب
ہونے سے لوگ ناواقف ہیں۔ میں اُسکو اپنے ساتھ لاؤنگا۔ چنانچہ وہ مجھ کو
وہاں لے گئے۔ وہ نوجوان اپنے گھر کے ایک دالان کے آگے کرسی پر بیٹھا
ہؤا تھا۔ وہاں ایک باغیچہ ابھی تھا۔ وہیں ہمارے لئے کرسیاں منگوائیں مینے
اُس کا حال دریافت کر کے کہا کہ کیلے کی جڑھ کا ایک چھٹانک پانی صاف
کر کے اس میں یہ شورہ قلمی جو آپ کے دالان میں بارود کے لئے رکھا ہے
کئی دفعہ پئیں اور شام تک مجھے اطلاع دیں۔ میں کہہ کر چلا آیا۔ اور قدرت
الہٰی سے اس کو شام تک تخفیف ہوگئی۔ اُس نے مجھے ایک گراں بہا خلعت
اور اتنا روپیہ دیا۔ کہ مجھ پر حج فرض ہوگیا۔ ساتھ ہی یہ بات ہوئی۔ کہ مجھے
شدت بخار میں سیلان اللعاب خطرناک رنگ میں شروع ہؤا۔ جس میں

پانی بودار سیاہ رنگ کا نکلتا تھا۔ ایک شخص حکیم فرزند علی نے مجھے رائے دی کہ آپ کا وطن اگر قریب ہے تو جلد چلے جائیں۔ اس احتراقی مواد سے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ شام کے وقت ایک بزرگ جو وہاں مہتمم طلبۃ العلم تھے اور نہایت ہی مخلصانہ حالت میں تھے۔ آئے اور کہنے لگے کہ میں بوڑھا ہوں اور میرے منہ سے لعاب آتا ہے۔ کوئی ایسی چیز بتاؤ کہ افطار کے وقت کھالیا کروں۔ میں نے کہا مربائے آملہ بنارسی۔ دانہ الائچی۔ ورق طلاء سے افطار کریں۔ وہ یہ نسخہ دریافت کر کے گئے۔ معاً واپس آئے۔ اور ایک مرتبان مربہ اور بہت سی الائچیاں اور دفتری ورق طلاء کی میرے سامنے لا رکھی اور کہا کہ آپ کے منہ سے بھی لعاب آتا ہے۔ آپ بھی کھائیں میں نے ان کو کھانا شروع کیا۔ ایک آدھ کے کھانے سے چند منٹ کے لئے تخفیف ہو گئی۔ جب پھر پانی کا آغاز شروع ہوا تو ایک اور کھالیا۔ غرض مجھے یاد نہیں کہ کس قدر کھا گیا۔ عشاء کے بعد مجھے بہت تخفیف ہو گئی۔ اور میں نے بجائے وطن کے حرمین کا ارادہ کر لیا۔

میں جب بھوپال سے رخصت ہونے لگا۔ تو اپنے اُستاد مولوی عبدالقیوم صاحب کی خدمت میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ سینکڑوں آدمی بطریق مشایعت میرے ہمراہ تھے۔ جن میں اکثر علماء اور معزز طبقہ کے آدمی تھے۔ میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی ایسی بات بتائیں۔ جس سے میں ہمیشہ خوش رہوں۔ فرمایا کہ "خدا نہ بننا اور رسول نہ بننا"۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اور یہ بڑے بڑے عالم موجود ہیں۔ غالباً یہ بھی نہ سمجھے ہونگے۔ سب نے کہا۔ ہاں ہم بھی نہیں سمجھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم خدا کس کو کہتے ہو؟ میری زبان سے نکلا کہ خدا تعالےٰ کی ایک صفت

فَعَالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔ فرمایا کہ بس ہمارا مطلب اسی سے ہے۔ یعنے تمہاری کوئی خواہش ہو اور وہ پوری نہ ہو تو تم اپنے نفس سے کہو کہ میاں تم کوئی خدا ہو؟ رسول کے پاس اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکم آتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ اسکی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائینگے۔ اس لئے اس کو بہت رنج ہوتا ہے۔ تمہارا فتوٰی اگر کوئی نہ مانے تو وہ بقینی جہنمی تھوڑا ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا تم کو اس کا بھی رنج نہ ہونا چاہیئے حضرت مولوی صاحب کے اس نکتہ نے اب تک مجھ کو بڑی راحت پہنچائی ہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ۔

حرمین کے لئے سفر

مجھ کو اس تپ نے جو بھوپال میں آتا تھا۔ بھوپال سے جدا ہونے کے بعد بھی سفر میں نہیں چھوڑا۔ مگر اس کا یہ قاعدہ تھا کہ پندرہ دن کے بعد صرف ایک دن کے لئے ہوا کرتا تھا رستہ میں برہان پور اسٹیشن پر میں اُترا۔ جب شہر میں گیا تو ایک آدمی مولوی عبداللہ نام مجھ کو ملے۔ انھوں نے میری بڑی خاطر مدارات کی۔ اور کہا کہ میں تمہارے باپ کا دوست ہوں۔ جب میں رخصت ہوا تو انھوں نے مجھ کو مٹھائی کی ایک ٹوکری دی۔ جب راستہ میں ٹوکری کھولی تو اس میں ایک ہزار روپیہ کی ہنڈی مکہ معظمہ کے ایک ساہوکار کے نام تھی۔ اور کچھ نقد روپیہ بھی تھا اس ہنڈی میں لکھا تھا۔ کہ نورالدین کو ایک ہزار روپیہ تک جب وہ طلب کریں دے دو۔ اور ہمارے حساب میں لکھ لو۔ اسکے حوصلہ کو دیکھ کر مجھے تعجّب ہوا۔ اگرچہ میں نے وہ ایک ہزار روپیہ وصول نہیں کیا۔ مگر انکے حوصلہ کی داد دینی ضروری ہے۔ اُن مولوی عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ میں ساہیوال ضلع شاہپور کا باشندہ ہوں۔ میں مکہ معظمہ میں حج کو گیا۔ اُس زمانہ میں

میں بہت ہی غریب تھا۔ مکہ معظمہ میں صبح سے شام تک لقمۃ اللہ مسکین کی صدا سے بھیک مانگتا تھا۔ پھر بھی کافی طور پر پیٹ نہیں بھرتا تھا۔ اور تمام دن بازاروں گلی کوچوں میں پھرتا رہتا تھا۔ ایک دن میرے خیال میں آیا۔ کہ تو اگر کبھی بیمار ہو جائے اور اتنا زیادہ نہ چل سکے تو بھوک کے مارے مرجائے گا اس تحریک کے بعد مَیں نے ارادہ کیا کہ بس آج ہی مرجائینگے اور اب سوال نہ کرینگے۔ پھر میں بیت اللہ شریف میں گیا۔ اور پردہ پکڑ کر یوں اقرار کیا کہ "اے میرے مولیٰ۔ گو تو اس وقت میرے سامنے نہیں۔ مگر میں اس مسجد کا پردہ پکڑ کر عہد کرتا ہوں کہ کسی بندے اور کسی مخلوق سے اب نہیں مانگونگا۔" یہ معاہدہ کر کے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اُس نے میرے ہاتھ پر ڈیڑھ آنہ کے پیسے (انگریزی سکے) کے رکھ دئے۔ اب میرے دل میں یہ شک ہوا کہ میری شکل سائل کی سی ہے۔ گو مَیں نے زبان سے سوال نہیں کیا۔ اس لئے میرے لئے یہ پیسے جائز ہیں یا نہیں۔ میں یہ سوچنے لگا۔ اور وہ شخص اتنے میں غائب ہو گیا۔ مَیں نے وہاں سے اُٹھ کر دو پیسے کی تو روٹی کھا لی۔ اور چار پیسے کی دیاسلائیاں خرید یں جو بارہ ڈبیاں ملیں۔ چونکہ مجھ کو گلی کوچوں میں دن بھر چلنے کی عادت تو تھی ہی۔ ان دیاسلائیوں کو ہاتھ میں لیکر کبریت کبریت کہتا پھرتا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ چھ پیسے کی بک گئیں۔ پھر مَیں نے چھ پیسے کی خریدیں وہ بھی اسی طرح بیچ دیں۔ آخر شام تک میرے پاس ایک چونی ہو گئی۔ دو پیسے کی روٹی کھا کر رات کو سو رہا۔ دوسرے دن پھر دیاسلائیاں خریدیں اور اسی طرح بیچیں۔ چند روز کے بعد وہ اتنی ہو گئیں کہ جن کے اُٹھانے میں دقت ہوتی تھی۔ آخر مَیں نے وہ مختلف چیزیں جنکی عورتوں کو ضرورت ہوتی ہے خریدیں اور بقچہ کمر سے لگا کر پھرنے لگا۔ مگر سودا ایسا خریدتا تھا اور

نفع اس قدر کم لیتا تھا کہ شام تک سب فروخت ہو جائے۔ رات کو بالکل
فارغ ہو کر سوتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ایک چادر بچھا کر اسپر سودا جما کر بیٹھ
جاتا۔ اور فروخت کرتا۔ پھر اس قدر ترقی ہوگئی کہ مینے نصف دکان کرایہ
پر لے لی۔ پھر اس قدر ترقی ہوئی۔ کہ میں بمبئی آگیا وہاں قرآن شریف خریدتا اور
ارد گرد کے گاؤں اور قصبوں میں لے جاکر فروخت کرتا۔ پھر میری ایسی ساکھ
بڑھی کہ میں تیس ہزار روپیہ کے قرآن شریف خرید کر تمہارے شہر بھیرہ میں
لے گیا۔ اور تمہارے والد صاحب نے وہ سب کے سب خرید لئے۔ مجھ کو
اس میں منافع عظیم ہوا۔ پھر دوبارہ اسی طرح ہزاروں ہزار کے قرآن شریف
خرید کر لے جاتا۔ جب مینے دیکھا کہ اب روپیہ بہت زیادہ ہو گیا ہے اور
اس تجارت سے بڑھ کر ہے۔ تو مینے کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔ یہ میری
عادت تھی کہ مال بہت جلد فروخت کر دیتا تھا۔ اور نفع بہت کم لیتا تھا۔ اب
مال ایسا بڑھا کہ میں برہانپور سے اس کو اٹھا نہ سکا۔ مینے یہیں کوٹھی بنا
لی۔ اور اب میں اتنا بڑا آدمی ہوں کہ اس سے مجھ کو اُس حدیث کا مضمون
صحیح ثابت ہوا کہ جس میں ارشاد ہے کہ تجارت میں بڑا رزق ہے۔

میں جب بمبئی پہنچا تو مولوی عنایت اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی مجھے
اُس زمانہ میں فوز الکبیر کا بڑا شوق تھا۔ مینے اُن سے کہا کہ مجھے یہ کتاب
کہیں سے پیدا کر دیں۔ انھوں نے فرمایا کہ کل آؤ۔ میں جب دوسرے دن
گیا تو انھوں نے وہ کتاب بمبئی کی چھپی ہوئی مجھے دکھائی اور کہا کہ ہم
اسکی قیمت پچاس روپے لینگے۔ مینے فوراً پچاس روپیہ کا نوٹ نکال کر
اُن کو دے دیا۔ اور وہ کتاب لیکر کھڑا ہو گیا۔ اور باہر جانے لگا۔ انھوں نے
کہا کیوں اس قدر جلدی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مینے کہا کہ بیع شرا میں ایک

مختلف مسئلہ ہے۔ حنفیہ تفارق قولی کے قائل ہیں۔ اور محدثین تفارق جسمی کی طرف مائل ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ احتیاطاً دونوں کے موافق بیع صحیح اور قوی ہو جائے۔ اس لئے آپ کے مکان سے جلد جانے کا ارادہ کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ چنانچہ میں اس وقت اُن کے موافق عمل کرتا ہوں۔ مَیں وہاں سے اُٹھ کر گلی میں جاکر پھر جلد واپس آگیا۔ تھوڑی دیر بیٹھے رہے مجھے وہ بڑے ہی مخلص اور عمدہ آدمی معلوم ہوئے۔ جب باتوں سے فارغ ہو کر میں اُٹھنے لگا۔ تو انھوں نے پچاس روپے کا نوٹ نکالا اور مجھ سے کہا کہ یہ میں اپنی طرف سے آپ کو اُس عمدہ نظارہ پر دیتا ہوں جو عمدہ کتابوں سے آپ کے محبت کرنے کے متعلق مَیں نے دیکھا۔ مَیں نے کہا کہ گو میں طالب علم آدمی ہوں مگر محتاج نہیں ہوں حج مجھ پر فرض ہے مگر انھوں نے وہ پچاس روپے مجھ کو واپس کر ہی دیئے یا یُوں سمجھو کہ اپنے پاس سے دیئے۔

بمبئی سے روانگی کے وقت مجھ کو اپنے وطن کے پانچ آدمی حج کو جاتے ہوئے ملے۔ جن کے باعث مجھ کو جہاز میں بڑا آرام ملا۔ کیونکہ وہ میرے مفت کے خدمت گذار ہوتے تھے۔ بندرگاہ حدیدہ میں اس جہاز کو کچھ مدت ٹھہرنا تھا۔ میں جوان آدمی تھا۔ اس لئے میرا ارادہ ہُوا کہ جب جہاز لنگر ڈالے ہوئے رہے۔ میں یمن کے اندرونی حصہ کے علماء دیکھ آؤں۔ چنانچہ میں حدیدہ سے مراعہ پہنچا اور وہاں سے مَیں نے بہت کچھ نفع اُٹھایا اور تعجب ہے کہ وہاں ایک نوجوان نے مجھ سے الفیہ کی اجازت لکھوائی جو مجھ کو اس وقت بڑے اچنبے کی بات معلوم ہوتی تھی۔ اُس نوجوان نے کچھ الفیہ مجھ سے پڑھ بھی لیا۔ ان احباب میں سے جو سفر میں میرے رفیق تھے

دو شخصوں کو مَیں نے دیکھا کہ بلا کسی حساب کتاب سے تراک میں خرچ اُٹھاتے
ہیں مَیں نے کہا کہ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں مجھ سے لکھوا لیا کرو۔ انکو میری یہ بات
بڑی ہی ناگوار گذری اور کہا کہ آپ بھائیوں میں تفرقہ ڈلوانا چاہتے ہیں
میں سمجھتا تھا کہ یہ مزدوری پیشہ لوگ ہیں اور یہاں خرچ بہت ہوتا ہے
انجام انکی اس حجتی کا اچھا نہ ہوگا۔۔۔ دو تو مجھ سے یوں ناراض ہو گئے
ایک ضعیف العمر تھے وہ ویسے ہی قابل ادب تھے۔ چوتھے صاحب جن سے
بہت آرام ملتا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اپنی کتابیں میرے صندوق
میں رکھ دو کیونکہ اُس میں جگہ خالی ہے۔ میں سفروں کا تجربہ کار نہ تھا میں نے
کتابیں رکھ دیں۔ جدہ سے ہم سوار ہوئے۔ پڑاؤ پر جہاں ٹھہرے وہاں یہ
حادثہ ہُوا۔ کہ انکے صندوق کی کنجی گم ہوگئی۔ وہ طبیعت کے بڑے تیز تھے
مجھ سے کہنے لگے کہ تمہاری کتابوں کے سبب سے چونکہ صندوق بھاری تھا
اس لئے اسکی کنجی کسی نے چُرائی ہے۔ تم ابھی کنجی پیدا کرو۔ مَیں نے کہا کہ تمہاری
کنجی مَیں نے چُرائی نہیں۔ اور میری کتابیں اپنے صندوق میں تم نے خود ہی باصرار بلا میری
درخواست کے رکھی ہیں۔ مگر وہ کچھ ایسے ضدی آدمی تھے کہ ایک ہی
بات پر اڑ گئے اور کہا کہ میری کنجی اسی وقت پیدا کرو۔ یہ معاملہ اتنا بڑھ گیا
کہ شور برپا ہُوا۔ اور ارد گرد کے تمام لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ایک ہمارے
ساتھ لوہار تھا۔ اُس نے کہا کہ اس تالے کی اعلیٰ سے اعلیٰ کنجی مکہ معظمہ میں
پہنچتے ہی بنا دُونگا۔ مگر اِس وقت یہاں چونکہ کوئی سامان نہیں۔ اس لئے
مجبور ہوں۔ صندوق والے نے کہا کہ میں تو اپنی اصلی کنجی مانگتا ہوں غرضکہ
وہ ایسے پیچھے پڑے۔ کہ کسی طرح چین نہیں لینے دیتے تھے۔ مَیں نے منت
سماجت بھی بہت کی۔ اور لوگوں نے بھی اُنکی خوشامد کی اور سمجھایا مگر وہ اپنی

بات سے نہ ٹلے۔ رات کو وہ اور ہم سب سو گئے۔ اُسی رات ترکوں کے کیمپ پر چوروں نے حملہ کیا۔ ترک لوگ سپاہی تھے۔ انھوں نے چوروں کا تعاقب کیا۔ بھاگتے چوروں کی کُنجیاں رہ گئیں۔ اور یہ کرشمہ اُس دُعا کا تھا جو رات کو مَیں نے جناب الٰہی میں کی تھی۔ صبح کے وقت ترک معہ کنجیوں کے اُس گچھے کے ہندیوں کے کیمپ میں آئے۔ اور منشا اُن کا یہ تھا کہ جن کے صندوقوں میں وہ کنجیاں لگیں۔ وہی چور ہیں اُن کو پکڑ لیا جائے مَیں نے ایک ترک کے ہاتھ میں ایک کنجیوں کا گچھا دیکھا۔ تو اس میں وہ کنجی بھی تھی مَیں نے اُس ترک سے کہا اگر اِن کنجیوں کے ذریعہ سے چور پکڑنے منظور ہیں۔ تو یہ کنجی تو میری ہے مجھ کو پکڑ لو مگر یہ کنجی مجھ کو دے دو۔ اوّل تو وہ کچھ خفا سا ہوُا۔ اور کہا ہم تم کو پکڑ لینگے۔ مَیں نے کہا کچھ ہرج نہیں۔ مگر میری کنجی مجھ کو دیدو آخر وہ تمام کنجیوں کا گچھا میری طرف پھینک کر چلا گیا۔ مَیں نے وہ کنجی صندوق والے صاحب کو دی۔ کہ جیسے وہ کچھ بہت ہی شرمندہ ہو گئے۔ اور پھر مجھ سے عذر کرنے لگے۔ مکہ معظمہ میں کوئی بزرگ محمد حسین صاحب سندھی تھے ان مکان پر ہم اُترے۔ انھوں نے اپنا بیٹا ہمارے ساتھ کر دیا کہ طواف القدوم کرا دے۔ مطوفوں کی ہوشیاری اور ذہانت کبھی میرے دل سے فراموش نہیں ہوئی۔ اور مَیں اب تک حیران ہوتا ہوں کہ وہ کیسے ہوشیار ہوتے ہیں۔ ہم جب مسجد بیت اللہ میں داخل ہوئے تو مطوف کی پہلی آواز یہ تھی کہ یا بیت اللہ اسکی اس آواز پر مَیں نے کہا کہ مَیں مسنون دُعائیں جانتا ہوں۔ مَیں خود پڑھ لونگا تو دوسری آواز یہ تھی بادب البیت اسکی ذہانت پر اس قدر تعجب ہوُا کہ آج تک بھی وہ تعجب دُور نہیں ہوُا۔ تمام مراتب میں اُس نے سُنن کو نہایت احتیاط سے مدِ نظر رکھا۔ مَیں نے کسی روایت کے ذریعہ سُنا تھا۔ کہ جب بیت اللہ نظر آئے

تو اُس وقت کوئی ایک دُعا مانگ لو وہ ضرور ہی قبول ہو جاتی ہے۔ میں علوم کا ماہر تو اُس وقت تھا ہی نہیں جو ضعیف و قوی روایتوں میں امتیاز کرتا۔ مَیں نے یہ دُعا مانگی۔ کہ الٰہی میں تو ہر وقت محتاج ہوں۔ اب میں کون کونسی دُعا مانگوں۔ پس میں یہی دُعا مانگتا ہوں کہ مَیں جب ضرورت کے وقت تجھ سے دُعا مانگوں تو اس کو قبول کر لیا کر۔" روایت کا حال تو محدثین نے کچھ ایسا ہی ویسا لکھا ہے مگر میرا تجربہ ہے کہ میری تو یہ دُعا قبول ہی ہو گئی۔ بڑے بڑے نیچریوں۔ فلاسفروں۔ دہریوں سے مباحثہ کا اتفاق ہُوا۔ اور ہمیشہ دُعا کے ذریعہ مجھ کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اور ایمان میں بڑی ترقی ہو گئی۔

مکہ معظمہ میں پہلی مرتبہ

مکہ معظمہ میں مَیں نے شیخ محمد خزرجی سے ابو داؤد۔ اور سید حسین سے صحیح مسلم۔ اور مُسلّم مولوی رحمت اللہ صاحب سے پڑھنا شروع کی۔ اِن تینوں بزرگوں کی صحبت بڑی ہی دلربا تھی۔ سید حسین صاحب کی صحبت میں مدت دراز تک حاضری کا اتفاق رہا۔ مگر مَیں نے سوائے حدیث کے قطعاً کوئی لفظ اُن کی زبان سے نہیں سُنا۔ جب مَیں نے مولوی رحمت اللہ صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا۔ کہ ہم بیس برس سے دیکھتے ہیں کہ یہ کسی سے تعلق نہیں رکھتے اور ہم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ کھاتے کہاں سے ہیں۔ سید حسین صاحب نہایت ہی کم سخن تھے۔ اور باتیں کرنے میں اس قدر تامل تھا کہ بعض اوقات ضروری کلام بھی نہیں فرماتے تھے۔ حرم میں مَیں اُن سے مسلم پڑھتا تھا سائل بھی وہاں آجاتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک ان سائلوں کو دیکھتے رہتے تھے۔ پھر کسی کو کہتے تھے تم یا باسط پڑھو۔ کسی کو کہتے یا غنی

پڑھو کسی کو یا حمید کسی کو یا مجید وغیرہ پڑھنے کا حکم دیتے۔ یہ اُنکی معمولی روزانہ باتیں تھیں لیکن میں اُن سے یہ نہ پوچھ سکا کہ یہ مختلف اسماء مختلف اشخاص کو آپ کیوں بتاتے ہیں۔ اُنکی قلت کلام نے پوچھنے کی اجازت نہیں دی۔

شیخ محمدؐ صاحب کو صحاح ستہ خوب آتی تھیں سادہ سادہ پڑھاتے تھے۔ مباحثات کی طرف سے اُنکی طبیعت بالکل متنفر تھی۔ ایک دفعہ میں ابوداوُد پڑھتا تھا۔ اعتکاف کے مسئلہ میں حدیث سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ صبح کی نماز پڑھ کر انسان معتکف میں بیٹھے مجھے اشارہ کیا کہ تم حاشیہ کو پڑھو یہ حدیث بہت مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث تو بہت آسان ہے۔ حکماً دیکھ لیتا ہوں انھوں نے کہا بہت مشکل ہے۔ میں نے سرسری طور پر اس کا حاشیہ دیکھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ حدیث مشکل ہے۔ کیونکہ اکیس تاریخ کی صبح کو بیٹھیں۔ تو ممکن ہے۔ اکیسویں رات لیلۃ القدر ہو۔ اگر اُس کے لحاظ سے عصر کو بیٹھیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ میں نے دیکھ کر کہا کہ ذرا بھی مشکل نہیں۔ یہ محاشی کی غلطی ہے۔ میں ایسی راہ عرض کرتا ہوں جس میں ذرا بھی اشکال نہیں یعنی بیس کی صبح کو بیٹھے انھوں نے کہا یہ تو اجماع کے خلاف ہے میں نے کہا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال آپ پڑھیں یہ اجماع محض دعاوی ہیں ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب کی کثرت کو دیکھ کر لفظ اجماع بول لیا کرتا ہے۔ اس پر وہ بہت ہی تند ہو گئے۔ میری عادت تھی کہ سبق کو پڑھ کر کسی بڑے کتب خانہ میں اس کتاب کی شرح دیکھا کرتا تھا اور کوئی لغت اٹک جاتا تھا۔ تو لغت کی کتاب میں دیکھ لیتا تھا میں نے اُنکی تیزی کی طرف دھیان نہ کر کے سبق کو بہت تیزی سے پڑھنا شروع

کر دیا۔ صبح سے لیکر دوپہر کے قریب تک پڑھتا ہی چلا گیا۔ مگر وہ چپ ہی بیٹھے رہے جب ظہر کی اذان کی آواز آئی۔ تو اتنا فرمایا کہ جماعت مشکل سے ملے گی۔ سوائے اسکے انھوں نے اس وقت تک کوئی کلام نہیں کیا۔ مینے کتاب کو بند کر دیا۔ عبداللہ حلوائی ایک شخص کے مکان پر یہ سبق ہوا کرتا تھا۔ اور دن کا کھانا میرا اور شیخ صاحب کا اسی کے یہاں ہوتا تھا۔ میں وضو کرکے ظہر کی نماز کو چلا گیا۔ ظہر کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب کے خلوت خانہ میں جا پہنچا۔ انھوں نے فرمایا۔ آج تمہارا اپنے شیخ سے مباحثہ ہوا۔ مینے عرض کیا کہ تلمیذ اور استاد کا کوئی مباحثہ نہیں ہو سکتا۔ میں طالب علم آدمی ہوں میرا مباحثہ ہی کیا۔ ہمارے شیخ تو بڑے آدمی ہیں۔ ہاں طالب علم اساتذہ سے کچھ پوچھا ہی کرتے ہیں۔ فرمانے لگے نہیں کوئی بڑا مسئلہ ہے۔ مینے کہا مسئلہ تو کوئی نہیں ایک جزوی بات تھی۔ مولوی صاحب کی طرز سے مجھ کو معلوم ہو گیا کہ اُن کو ساری خبر پہنچ گئی ہے۔ مگر میں حیران تھا کہ سوائے میرے اور شیخ کے وہاں اور کوئی نہ تھا خبر کیسے پہنچی۔ اتنے میں مولوی صاحب نے خود ہی فرمایا کہ تمہارے شیخ آئے تھے اور فرماتے تھے کہ بعض طالب علم بہت دلیر آجاتے ہیں۔ اور اُنکے مشکلات کا خمیازہ ہمیں اُٹھانا پڑتا ہے۔ اور پھر انھوں نے سارا واقعہ ہم کو سنایا۔ مینے جب سمجھ لیا کہ اب اخفا کا کوئی موقعہ نہیں تو اُن سے عرض کیا کہ یہ ایک جزوی مسئلہ ہے۔ اکیس کی صبح کو نہ بیٹھے بیس کی صبح کو بیٹھ گئے۔ اس طرح حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ مولوی رحمت اللہ صاحب نے فرمایا کہ بات اجماع کے خلاف ہو جاتی ہے۔ مینے کہا اس چھوٹی سی بات پر بھلا اجماع کیا ہوگا۔ تب انھوں نے فرمایا کہ سبق کل پڑھائیں گے۔ اب تم ہمارے ساتھ ہمارے مکان پر چلو۔ یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے

ہوئے۔ جب خلوت خانہ سے نکل کر مسجد کے صحن میں پہنچ گئے۔ مینے عرض کیا حضرت اس کوٹھے کی طرف لوگ سجدہ کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے۔ مینے کہا انبیا کا اجماعی قبلہ تو بیت المقدس ہے۔ اور اللہ تعالی نے تو آپ کو اہل کتاب کی کتابوں سے بہت آگاہ فرمایا ہے۔ آپ ایک شخص کے فرمان پر اجماع انبیاء بنی اسرائیل کو کیوں چھوڑتے ہیں۔ آپ نے تو اتنے بڑے اجماع کو چھوڑ دیا ہے مینے اگر جزوی مسئلہ میں ایک حدیث کے معنی میں اختلاف کیا تو ہرج کیا ہوا۔ فرمایا دل دھڑکتا ہے۔ مینے کہا جس کا دل نہ دھڑکے وہ کیا کرے۔ پھر فرمایا کہ دل دھڑکتا ہے۔ اور کھڑے ہو گئے تب مینے بہت دلیری سے انکی خدمت میں عرض کیا کہ آپ محقق اور عالم ہیں ہر مسئلہ میں شخص واحد کا اتباع اس کے متعلق آپ مجھے ارشاد کریں۔ فرمایا ہم تو امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ مگر ہر مسئلہ میں تو ہم فتویٰ نہیں دیتے۔ مینے عرض کیا کہ حضور کے فرمانے سے تقلید شخصی کا مسئلہ تو حل ہو گیا۔ فرمایا تقلید کا مسئلہ بہت سہل اور بہت مشکل بھی ہے۔ مینے عرض کیا میں اس کلام کو سمجھا نہیں۔ فرمایا ہر جزوی مسئلہ میں ایک ہی شخص کی تقلید نہ کسی نے کی نہ کوئی کر سکتا ہے اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تقلید شخصی کوئی بڑی بات نہیں اور مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم غدر میں ہندوستان سے بھاگ گئے تھے۔ تو پونا کے قریب ایک گاؤں میں ٹھہرے وہاں جمعہ کے دن ایک شخص وعظ کیلئے کھڑا ہوا اور اس نے اس طرح شروع کیا۔ کہ نہ میں ہانپھی (حنفی) کی مانوں نہ شافھی (شافعی) کی۔ میں وہ کہوں جو حضرت نبی کریم نے فرمایا ہے یہ کہہ کر اس نے مولوی خرم علی صاحب کی کتاب نصیحت المسلمین شروع کر دی بیچ میں یہ بھی کہا کہ یہ بات مشکوٰۃ میں لکھی ہے۔ جب وہ وعظ سے فارغ

ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ مشکوٰۃ کو مشکوت کہہ رہے تھے۔ سو اس لئے تقلید کا
مسئلہ مشکل ہے۔ کیونکہ وہ پہلا فتویٰ دیں۔ تو جو شخص مشکوٰۃ کو مشکوت کہتے
ہیں وہ بھی مجتہد مطلق بنجاتے ہیں۔ بات تو بہت ہی سہل تھی۔ مگر بہت ہی مشکل
ہوگئی۔ ہم علی العموم ان باتوں کے دشمن نہیں۔ تمہاری شفاعت تمہارے شیخ سے
کردی ہے۔ تم سبق پڑھنے جاؤ۔ وہ روکیں گے نہیں۔ اور آزادی سے پڑھو ہم نے
شیخ کو مطمئن کردیا ہے۔ ہم تمہارا مذاق خوب جانتے ہیں۔ مینے عرض کیا ہمارے
شیخ حدیث کا بڑا ادب کرتے ہیں۔ اگر میں اُنکے حضور پڑھتا رہوں۔ تو وہ مجھ کو
بند نہ کریں گے۔ فرمایا وہ ڈرتے تھے۔ ہم نے مطمئن کردیا ہے۔ چنانچہ میں
دوسرے دن گیا۔ گو شیخ صاحب اس دن تو نہ بولے۔ مگر مینے سبق پڑھ لیا
مینے نسائی۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ اُن سے پڑلیں۔ اُن دنوں مولوی ابو الخیر صاحب
دہلوی خلف الرشید حضرت محمد عمر نقشبندی مجددی مجھ سے در المختار پڑھا
کرتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد حضرت شاہ عبد الغنی مجددی مدینہ سے مکہ
میں تشریف لائے۔ شہر میں بڑی دھوم دھام مچی۔ میں بھی اُن کی خدمت
میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور ہزاروں آدمی آگے
گرد موجود تھے۔ سب سے پہلے مینے اُن کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ اعتکاف
کب بیٹھا جائے۔ طالب علمانہ زندگی بھی عجیب ہوتی ہے وہی ایک مسئلہ
اتنے بڑے وجود کے سامنے مینے پیش کیا۔ آپ نے بے تکلف فرمایا کہ بیس
کی صبحکو۔ میں تو سنکر حیران رہ گیا۔ اُنکی عظمت اور رعب میرے دل میں
بہت پیدا ہوا۔ مگر پھر بھی جرات کرکے پوچھا کہ حضرت مینے سنا ہے کہ یہ
اجماع کے خلاف ہے۔ اُنکے علم پر قربان ہو جاؤں۔ بڑے عجیب لہجہ میں فرمایا
کہ جہالت بڑی بری بلا ہے۔ حنفیوں میں فلاں فلاں۔ شافعیوں میں فلاں

حنابلہ میں فلاں۔ مالکیوں میں فلاں۔ کئی کئی آدمیوں کے نام لے کر کہا کہ ہر فرقہ میں اس بحث کے بھی قائل ہیں۔ میں اس علم اور تبحر کے قربان ہو گیا۔ ایک وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کہ کیا علم ہے! تب وہاں سے ہٹ کر میں نے ایک عرضی لکھی کہ میں پڑھنے کے واسطے اس وقت آپ کے ساتھ مدینہ میں جا سکتا ہوں اُس کاغذ کو پڑھ کر یہ حدیث مجھے سُنائی۔ المستشار مؤتمن پھر فرمایا کہ تمام کتابوں سے فارغ ہو کر مدینہ آنا چاہیئے۔ میں نے یہ قصہ جا کر حضرت مولانا رحمت اللہ کے حضور پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ علم تو اس کو کہتے ہیں۔ یہ بھی عرض کیا کہ ہمارے شیخ تو ڈر گئے تھے مگر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نے تو حرم میں بیٹھ کر ہزار ہا مخلوق کے سامنے فتویٰ دے دیا۔ مگر کسی نے چوں بھی نہ کی۔ فرمایا شاہ صاحب بہت بڑے عالم ہیں ۰

حرمین میں جن شیوخ سے میں پڑھتا تھا۔ اُن میں سے جو شیخ الحدیث تھے اُنکی والدہ کو قلاع کا مرض ہوا۔ اور اطبا کے نار سے وہ تنگ آ گئے۔ مجھ سے فرمایا کہ کوئی طبیب تمہارا دوست ہو تو اس سے دوا لا دو۔ میں اس فن کا خوب ماہر تھا۔ میں نے یہ نسخہ بنا کر پیش کیا۔ شورہ قلمی دو ماشہ۔ کتھا دو ماشہ الائچی خورد دو ماشہ۔ گلسرخ دو ماشہ۔ کافور ایک ماشہ۔ توتیائے سبز بریاں چھ رتی۔ شاید کچھ کمی بیشی بھی ہو۔ مگر شیخ سے یہ اظہار نہ کیا کہ میں طبیب ہوں اس کے استعمال نے معاً فائدہ دیا یہ اُنکو پھر بھی معلوم نہ ہوا کہ یہ خود طبیب ہے وہاں ایک اور امر میری طبی توجہ کے بڑھانے کا یہ ہوا کہ ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحب جو ہمارے شیخ مولوی رحمت اللہ کے بڑے دوست اور مناظرہ آگرہ میں شامل تھے۔ مولوی صاحب کے مکان پر اُن سے تعارف ہوا۔ اُن دنوں شریف مکہ کو سنگ مثانہ تھا۔ چونکہ فرانس کے ساتھ وہاں کے شریف کا تعلق تھا فرانس

سے وہ آلہ جس سے پتھر پیسکر نکالتے ہیں منگوایا گیا۔ اور ڈاکٹر صاحب نے اُسکو پیسکر نکالا۔ اس کامیاب تجربہ سے مجھے ڈاکٹری طب کا بہت شوق ہؤا مگر میری موجودہ حالت اور شواغل اس طرف جھکنے نہ دیتے تھے۔ ڈیڑھ برس کے بعد مجھے کچھ سُبکدوشی ہوئی تو حضرت شیخ المشائخ پیر و مرشد حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز حاصل ہؤا۔ اور اس طبیب رُوح کے باعث مدینہ چلا گیا۔ اُن کے حضور بہت مدت رہا اس عرصہ میں تمام دُنیوی شواغل چھوٹ گئے۔ صرف ایک مخلص عنایت فرما جو عورتوں کے تپ دق سے خوب ماہر تھے۔ اُن سے کبھی کبھی طبی تذکرہ ہو جایا کرتا تھا۔ وہاں کی اقامت میں خود تجربہ کا خیال حضرت شاہ کی خاص توجہات کے باعث ہرگز نہ ہو سکا۔

مکہ معظمہ میں ایک قابل افسوس امر یہ پیش آیا۔ کہ میرے شہر کا رہنے والا میرا ہموطن میرا ہم مکتب ایک شخص وہاں رہتا تھا۔ چونکہ اتنے تعلقات تھے اس لئے مَیں جب مدینہ طیبہ کو جانے لگا تو اپنا بہت سا اسباب اور روپیہ اس کے پاس رکھ دیا۔ اور کہا کہ مَیں زمانہ دراز تک مدینہ منوّرہ میں رہوں گا یہ روپیہ تجارت میں لگاؤ۔ تم کو فائدہ ہو جائے گا۔ میں آیندہ جب حج کے وقت آؤں گا تو روپیہ تم سے لونگا تم حج کے زمانہ سے پہلے ہی روپیہ جمع کر رکھنا۔ میں جب آیا اور حج سے فارغ ہؤا۔ تو روپیہ اور اسباب اُس سے طلب کیا بہت اصرار اور تقاضوں کے بعد ایک روز وہ مجھ کو عمدہ عظیم الشان مکان کے پاس لے گیا۔ جس کے دروازہ پر قفل لگا ہؤا تھا کہنے لگا کہ مَیں نے آپ کا اسباب اور روپیہ اُس شخص کے پاس رکھ دیا ہے معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے۔ اُس گھر کی حیثیت بڑی عظیم الشان معلوم

ہوتی تھی۔ ہم دونوں کے باتیں کرتے ہوئے ایک عرب آگیا۔ اور پوچھا
کیا معاملہ ہے۔ میں نے کہا میرا کچھ اسباب ہے جو اس صاحب خانہ کے پاس
ہے اور تعجب ہے اتنا بڑا مکان ہے اور قفل لگا ہوا ہے اس نے کہا
کہ یہ ہندی آدمی ہے۔ تو آپ کے پاس ہے یہ کیوں کھڑا ہے میں نے
کہا اسی نے۔ کہا ہے۔ یہ سنتے ہی اس نے بڑے طیش و غضب کا چہرہ بنا
کر کہا یہ جھوٹا ہے یہ آپ کا مال اور اسباب سب کھا گیا۔ اور اس مکان
کا مالک تو بڑا عظیم الشان آدمی ہے وہ تو مع اپنے کنبہ کے آدمیوں کے
اپنے احباب کو رخصت کرنے گیا ہے۔ اور جدہ میں اس وقت رہے گا
جب تک کہ سب حجاج رخصت نہ ہولیں۔ مجھ سے تو اس نے بڑی محبت
اور نرمی سے کلام کیا مگر ہمارے ہم مکتب کو بڑے غضب سے بہت گالیاں
دیں۔ ہمارا ہم مکتب خاموش اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ پھر عرب نے کہا یہ
حال مکہ شہر کا ہے۔ ان ہندیوں نے عرب کو بہت ہی بدنام کیا ہے اور
اپنے قصور کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا
کہ تمہارا کپڑا مال اور روپیہ سارا اسباب اس نے ایک بنگالی عورت
کو دے دیا ہے۔ اور یہ لوگ ایسے کام یہاں بہت کرتے ہیں۔ اب اس سے
آپ واپسی کی کوئی امید نہ رکھیں۔ اس واقعہ سے اتنا فائدہ ضرور ہوا
کہ میرے ایک استاد جن کے مکتب کا وہ ہم مکتب تھا جب حج کو جانے
لگے۔ تو میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے مال و اسباب کی خود حفاظت کریں
اور کسی شخص پر بھروسہ نہ کریں۔ جب وہ حج سے واپس آئے میرا بہت
شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ تمہاری نصیحت کے سبب سے ہم اپنے ایک
شاگرد کی دست برد سے بچ گئے۔ اس قسم کی مخلوق بھی کہیں کہیں ہوتی

ہے اللہ تعالےٰ ان پر رحم کرے۔

دوسرا افسوس ناک امر وہاں یہ دیکھا۔ کہ ایک دفعہ میں منیٰ سے آرہا تھا تو مینے کسی سے دریافت کیا۔ کہ محسّب کہاں ہے۔ کوئی نہیں بتا سکا۔ پھر مینے کہا کہ اچھا خیف بنی کنانہ کہاں ہے؟ پھر مینے پوچھا بطحیٰ کہاں ہے۔ جب کہیں پتہ نہ لگا تو میں بہت حیران ہوا۔ ایک شخص نے جو خشک سا وہابی تھا۔ کہا کہ دیکھا! کہاں تک یہ نوبت پہنچی ہے۔ پھر اس نے پتہ دیا کہ جنت المعالہ (جو وہاں کا مشرقی قبرستان ہے) وہی محسّب ہے وہی خیف بنی کنانہ اور بطحیٰ ہے۔ میں وہاں کی مسجد میں گیا۔ تو تعجب اور بھی بڑھ گیا۔ وہاں چند ضعیف العمر بنگالی بیٹھے تھے۔

تیسرا تعجب وہاں یہ ہوا کہ عرفات میں مینے دیکھا کہ لوگ اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے کپڑے کا پلہ پکڑ کر تھوڑی دیر کے بعد ہلاتے ہیں۔ میں اس نظارہ کو دیکھ کر بہت ہی متعجب ہوا۔ اِدھر اُدھر لوگوں سے پوچھا تو لوگوں نے کہا پہلے یہ کپڑا اُس سامنے والی پہاڑی سے ہلتا ہے۔ وہاں اصلیت کا پتہ لگے گا۔ میں تو جوشیلا نوجوان تھا۔ دوڑا اُس پہاڑی کے چاروں طرف پھرا۔ آخر ایک رستہ نظر آیا جس کے ذریعہ اوپر چڑھ گیا۔ وہاں بہت سے ترک دیکھے جو سنگینیں چڑھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے اشارہ سے منع بھی کیا۔ مگر میں رُکا نہیں۔ زیادہ چھیڑ انھوں نے بھی نہ کی۔ جب اوپر پہنچا تو دیکھا کہ ایک اونٹنی پر ایک ترک سوار ہے۔ اُسکے ہاتھ میں کتاب ہے اور چاروں طرف پہرہ دار کھڑے ہیں۔ میں اُن سپاہیوں کو بھی چیرتا ہوا اُس اونٹنی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ مینے بہت کوشش کی کہ اس کتاب کا کچھ حصہ سُنوں۔ مگر کوئی ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آیا۔ مگر یہ بات حل ہوگئی کہ وہ

ترک جس کتاب کو پڑھ رہا تھا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد بایاں ہاتھ ہلاتا تھا۔ اسکو دیکھ کر پہاڑی کے لوگ کپڑے کو ہلاتے تھے۔ ترکی بولی مَیں جانتا نہ تھا۔ اور نہ اب جانتا ہوں اور وہاں سوائے ترک سپاہیوں کے اور کوئی بھی نہ تھا۔ مَیں نیچے اُتر آیا۔ آخر پتہ لگا کہ یہ امام صاحب خطبہ پڑھ رہے ہیں اور جہاں اَللّٰہُ اکبر۔ اللّٰہ اکبر۔ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ واللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد کا مقام آتا ہے تو یہ اپنا ہاتھ ہلاتے ہیں اور لوگ اپنا کپڑا ہلاتے ہیں۔ اب یہ رسم رہ گئی ہے۔ اللہ اکبر کوئی نہیں کہتا۔

مدینہ طیبہؓ

مدینہ طیبہ جاتے ہیں چونکہ مَیں نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب سے ہی پہلے مشورہ لیا تھا۔ اس لئے میں انہیں کی خدمت میں سب سے پہلے حاضر ہوا۔ انھوں نے ایک علیحدہ حجرہ رہنے کے واسطے مجھے عطا کیا۔ میں وہاں صرف رہتا تھا۔ سبق کسی سے نہیں پڑھا کرتا تھا نہ شاہ صاحب سے۔ پھر میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں انکے ہاتھ پر بیعت کرلوں۔ مکان پر تو میرا ایسا خیال ہوتا تھا۔ لیکن جب انکی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ تو خیال کرتا تھا کہ کیا فائدہ۔ اُنکے پاس جاکر عجیب عجیب خیال اُٹھتے تھے۔ کبھی یہ سوچتا تھا کہ حلال و حرام اور امر و نواہی قرآن کریم میں موجود ہی ہیں۔ ان لوگوں سے کیا سیکھنا۔ اگر حسن اعتقاد سے نفع ہے تو مجھ کو ان سے ویسے ہی بہت عقیدت ہے پھر اپنی جگہ جاکر یہ بھی خیال کرتا تھا۔ کہ ہزارہا لوگ جو بیعت اختیار کرتے ہیں۔ اگر اس میں نفع نہیں تو اس قدر مخلوق کیوں مبتلا ہے۔ غرض کہ میں اسی سوچ و بچار میں بہت دنوں پڑا رہا۔ فرصت کے وقت ایک کتب خانہ جو مسجد نبویؐ کے جنوب و مشرق میں تھا وہاں جاکر اکثر بیٹھتا اور کتابیں دیکھا کرتا تھا۔ بہت

دنوں کے بعد آخر مَیں نے پختہ ارادہ کیا کہ کم سے کم بیعت کر کے تو دیکھیں اس میں فائدہ کیا ہے؟ اگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو پھر چھوڑنے کا اختیار ہے۔ لیکن جب میں خدمت میں حاضر ہوا۔ اور خیال آیا کہ ایک شریف آدمی ایک معاہدہ کر کے چھوڑ دے تو یہ بھی ایک حماقت ہی ہے۔ پہلے ہی سے اس بات کو سوچ لینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ پھر چھوڑ دے۔ آخر ایک دن میں خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ مَیں بیعت کرنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ استخارہ کرو۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے تو بہت کچھ استخارہ اور فکر کیا ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے جونہی اپنا ہاتھ بیعت لینے کے لئے بڑھایا۔ میرے دل میں بڑی مضبوطی سے یہ بات آئی۔ کہ معاہدہ قبل از تحقیقات؟ یہ کیا بات ہے؟ اس لئے باوجودیکہ حضرت شاہ صاحب نے ہاتھ بڑھایا تھا مَیں نے اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لئے۔ مربع بیٹھ گیا۔ اور عرض کیا بیعت سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا سمعی کشفی گردد و دید بشنید مبدّل گردد اور یہ وہ جواب ہے جو نجم الدین کبرٰی نے دیا ہے۔ پھر مَیں نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے۔ لیکن اس وقت آپ نے اپنے ہاتھ کو ذرا پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جس میں ایک صحابی نے درخواست کی تھی۔ کہ اسئلك مرافقتك فی الجنّۃ مَیں نے عرض کیا خوب یاد ہے آپ نے فرمایا اس امر کے لئے تم کو اگر اصول اسلام سیکھنے ہوں تو کم سے کم چھ مہینے میرے پاس رہنا ہوگا۔ اور اگر فروع اسلام سیکھنے ہیں تو ایک برس رہنا ہوگا۔ تب مَیں نے پھر اور بھی جب ہاتھ بڑھایا۔ تو آپ نے میری بیعت لی۔ اور فرمایا کہ کوئی مجاہدہ سوائے اس کے آپ کو نہیں بتلاتے کہ ہر وقت آپ آیت وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

پر توجہ رکھیں۔ پھر وَاللّٰهُ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ کی نسبت ایسا ہی فرمایا
اس توجہ میں مینے بارہا حضرت نبی کریمؐ کو دیکھا۔ اور اپنی بعض غفلتوں اور
سستیوں کے نتائج کا مشاہدہ کیا۔ چھ مہینہ کے اندر اندر آپ کا
وہ وعدہ میرے حق میں بہرحال پورا ہوگیا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنِّي اَحْسَنَ الْجَزَاء
آپ بڑے محتاط تھے۔ اور آپ کی نظر دینی علوم میں بڑی وسیع تھی۔ بہت
قلیل الکلام تھے۔ مثنوی۔ ترمذی۔ بخاری۔ رسالہ قشریہ۔ یہ چار چیزیں آپکے
درس میں ہوتی تھیں۔ آپ کے کھانے پینے کے عجائبات میں سے ایک یہ بات
ہے کہ ہمارے یہاں قادیان میں جو اکبر خاں سنوری حضرت مسیح موعودؑ کے مرید اور
خاص خادم رہتے ہیں۔ ان کے ایک حقیقی بھائی ولیداد خاں صاحب تھے
جو مدینہ منورہ میں حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں اسی طرح رہتے تھے
اُن کو ایک دفعہ گیہوں خریدنے کے لئے بھیجا۔ وہ نہایت عمدہ گیہوں جس میں
جو کا ایک دانہ بھی نہ تھا لائے۔ ولیداد خاں کو تو کچھ نہ فرمایا۔ لیکن آیندہ بازار
کا سودا اُنکی معرفت منگوانا بند کر دیا۔ ولیداد خاں چونکہ منجملہ بڑے احباب کے
تھے بہت گھبرائے۔ آخر ایک شخص کو پھر گیہوں خریدنے کے لئے بھیجا۔ اُس
شخص نے وہ روپیہ جو گیہوں خریدنے کا تھا۔ ولیداد کو دیا۔ اور کہا کہ اُنکی دفعہ
جو گیہوں حضرت صاحب کے واسطے لاؤ۔ تو اُس میں بہت سے جَو ملے ہوئے
ہوں۔ چنانچہ وہ گیہوں لائے جس میں بہت ہی جَو ملے ہوئے تھے۔ خوش
ہوکر فرمانے لگے کہ یہ گیہوں کون لایا ہے۔ اس شخص نے سفارش کے طور پر
کہا کہ ولیداد خاں لائے ہیں فرمانے لگے کہ اب اُنکو عقل آگئی ہے۔ لہذا آیندہ
وہی لایا کریں۔ ایک دفعہ مذاہب کے متعلق دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا اشهر
المذهب مذهب ابی حنیفة و اوسع المذاهب مذهب مالك

واقول المذاہب مذہب الشافعی و احوط المذاہب مذہب احمد ابن حنبل۔

آپ کو مَیں نے نہایت ہی وسیع الخلق پایا۔ اور کم کلامی میں تو مجھ کو تعجب ہی آتا تھا۔ وہاں آپ کے مکان میں ہر روز ختم ہوتا تھا۔ اور بعض مریدین انیس ہزار دفعہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہر روز پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے شکایت کی کہ نور الدین اتنی محنت نہیں کرتا۔ نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہے اور رفع یدین کا قائل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ آپ ایک ایسی چھری لائیں جو رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ کو بخاری میں سے کاٹ سکے اور انیس ہزار بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنے کی کوئی سند ہے تو وہ نور الدین کو دکھلائی جائے۔ اگر وہ صحیح ہوگی تو وہ مان لیگا۔ اسپر ہمارے سب پیر بھائی بالکل خاموش ہو گئے۔

میرے حجرہ کے ساتھ ایک اور حجرہ تھا۔ اُس میں مولوی نبی بخش نام چشتی جامپور کے رہنے والے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک رکعت وتر کے معاملہ میں اُن سے دوستانہ گفتگو تھی۔ جس میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک رکعت وتر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کے خلاف ہے اور کوئی دلیل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ امام کا فیصلہ کافی دلیل ہے کہ ایک رکعت کوئی نماز نہیں۔ کچھ دن کے بعد مَیں نے اُن کو ایک میں نماز عاشقان دکھائی۔ جو ایک رکعت ہوتی ہے اور ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ نماز بہت ہی مجرّب ہے۔ مَیں نے کہا کہ یہ امام صاحب کی اس ایک رکعت والی تحقیق کے خلاف ہے۔ تب انھوں نے امام صاحب رحمۃ اللہ کے حق میں بڑی ہی گستاخی کے کلمات کہے۔ مَیں نے کہا اس دن آپ اتنے مداح تھے

یا اب ایسے گستاخ ہیں۔ تو کہتے لگے کہ وہ فقہاء کے مقابلہ میں ہیں اور یہ تو سلطان جی نے لکھا ہے۔ سلطان جی تو عرش پر پہنچنے والے ہیں انکے سامنے امام ابو حنیفہ وغیرہ ملا لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ تب مینے فیصلہ کیا کہ محبت اور تقلید بھی بڑی تکلیف میں ڈالنے والی چیز ہے۔ وہ مدینہ میں اس وجہ سے رہتے تھے کہ حالت یقظہ میں نبی کریم کو دیکھیں۔ مینے ایک دفعہ رویا میں نبی کریمؐ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا کھانا تو ہمارے گھر میں ہے لیکن نبی بخش کا ہم کو بہت فکر ہے۔" اُن دنوں میں مینے نبی بخش کو بہت ڈھونڈا باوجودیکہ میرے ساتھ کے حجرہ میں رہتے تھے مگر ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ حجرہ میں آئے ہی نہیں۔ بہت دنوں کے بعد جب ملے تو مینے کہا آپکو کوئی تکلیف ہو تو بتائیں اور ضرورت ہو تو میں آپ کو کچھ دام دے دُوں۔ کہا کہ مجھکو بہت شدت کی تکلیف تھی۔ مگر آج مجھ کو چونہ اُٹھانے کی مزدوری مل گئی ہے۔ اور پیسے مزدوری کے ہاتھ آگئے ہیں۔ اس لئے ضرورت نہیں۔

مدینہ طیبہ میں ایک ترک کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ اُس نے کہا کہ اگر کوئی کتاب آپ کو پسند ہو تو ہمارے کتب خانہ سے لے جایا کریں۔ گو ہمارا قانون نہیں ہے مگر آپ کے اس عشق و محبت کی وجہ سے جو آپ کو قرآن کریم سے ہے۔ آپ کو اجازت ہے۔ مینے کہا کہ مسئلہ ناسخ و منسوخ کے متعلق کوئی کتاب دو۔ انھوں نے مجھے ایک کتاب دی۔ جس میں چھ سو آیت منسوخ لکھی تھی۔ مجھے یہ بات پسند نہ آئی۔ ساری کتاب کو پڑھا اور مزا نہ آیا۔ میں اس کتاب کو واپس لے گیا اور کہا کہ میں جوان آدمی ہوں اور خدا کے فضل سے یہ چھ سو آیتیں یاد کر سکتا ہوں مگر مجھے یہ بات پسند نہیں۔ وہ بہت بوڑھے اور ماہر شخص تھے۔ انھوں نے ایک اور کتاب دی جس کا نام اتقان

تھا۔ اور ایک مقام اس میں بتایا۔ جہاں ناسخ و منسوخ کی بحث تھی۔ خوشی ایسی چیز ہے کہ مینے فوز الکبیر کو جو بمبئی میں پچاس روپے کو خریدی تھی ابھی پڑھا بھی نہیں تھا۔ میں اتقان کو لایا۔ اور پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ انیس آیتیں منسوخ ہیں۔ میں اسکو دیکھ کر بہت ہی خوش ہؤا۔ اور مینے سوچا کہ اُنیس یا بیس آیتوں کو تو فوراً یاد کرلونگا۔ گو مجھے خوشی بہت ہوئی۔ مگر مجھ کو ایسا قلب اور علم دیا گیا تھا۔ کہ پھر بھی وہ کتاب مجھ کو پسند نہ آئی۔ اب مجھ کو فوز الکبیر کا خیال آیا۔ کہ اُس کو بھی تو پڑھ کر دیکھیں۔ اسکو پڑھا تو اُس کے مصنّف نے لکھا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو علم مجھے دیا ہے اس میں پانچ آیتیں منسوخ ہیں۔ یہ پڑھ کر تو بہت ہی خوشی ہوئی۔ مینے جب ان پانچ پر غور کی تو خدا تعالےٰ نے مجھے سمجھ دی کہ یہ ناسخ منسوخ کا جھگڑا ہی بے بُنیاد ہے۔ کوئی چھ سو بتاتا ہے کوئی انیس یا اکیس اور کوئی پانچ۔ اس سے معلوم ہؤا کہ یہ تو صرف فہم کی بات ہے مینے خدا تعالےٰ کے فضل سے یہ قطعی فیصلہ کرلیا۔ کہ ناسخ و منسوخ کا معاملہ صرف بندوں کے فہم پر ہے۔ ان پانچ نے سب پر پانی پھیر دیا۔ یہ فہم جب مجھے دیا گیا۔ تو اُس کے بعد ایک زمانہ میں میں لاہور کے اسٹیشن پر شام کو اُترا۔ بعض اسباب ایسے تھے کہ چینیاں والی مسجد میں گیا۔ شام کی نماز کے لئے وضو کر رہا تھا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کے بھائی میاں علی محمد نے مجھ کو کہا کہ جب عمل قرآن مجید و حدیث پر ہوتا ہے تو ناسخ و منسوخ کیا بات ہے۔ مینے کہا کچھ نہیں۔ وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ گو میر ناصر کے اُستاد تھے انھوں نے اپنے بھائی سے ذکر کیا ہوگا۔ یہ ان دنوں جوان تھے اور بڑا جوش تھا۔ میں نماز میں تھا۔ اور وہ جوش میں اِدھر اُدھر ٹہلتے رہے۔ جب میں نماز

سے فارغ ہوُا۔ تو کہا ادھر آؤ۔ تم نے میرے بھائی کو کہدیا کہ قرآن میں ناسخ و منسوخ نہیں۔ مَیں نے کہا ہاں نہیں ہے۔ تب بڑے جوش سے کہا کہ تم نے ابو مسلم اصفہانی کی کتاب پڑھی ہے۔ وہ احمق بھی قائل نہ تھا۔ مَیں نے پھر کہا پھر تو ہم دو ہو گئے۔ پھر اس نے کہا کہ سید احمد کو جانتے ہو۔ مراد آباد میں صدر الصدور ہے۔ مَیں نے جواب دیا کہ میں رامپور۔ لکھنؤ اور بھوپال کے عالموں کو جانتا ہوں ان کو نہیں جانتا۔ اسپر کہا کہ وہ بھی قائل نہیں۔ تب مَیں نے کہا کہ بہت اچھا۔ پھر ہم اب تین ہو گئے۔ کہنے لگا کہ یہ سب بدعتی ہیں۔ امام شوکانی نے لکھا ہے کہ جو نسخ کا قائل نہیں وہ بدعتی ہے۔ مَیں نے کہا تم دو ہو گئے۔ میں ناسخ و منسوخ کا ایک آسان فیصلہ آپ کو بتاتا ہوں۔ تم کوئی آیت پڑھ دو۔ جو منسوخ ہو اسکے ساتھ ہی میرے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ ان پانچ آیتوں میں سے پڑھ دے تو کیا جواب دوں۔ خدا تعالےٰ ہی سمجھائے تو بات بنے۔ اس نے ایک آیت پڑھی۔ مَیں نے کہا کہ فلاں کتاب نے جس کے تم بھی قائل ہو۔ اس کا جواب دیا ہے کہنے لگا ہاں۔ پھر مَیں نے کہا اور پڑھو تو خاموش ہی ہو گیا۔ علماء کو یہ وہم رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہتک ہو۔ اس لئے اس نے یہی غنیمت سمجھا کہ چپ رہے۔ اسکے بعد پھر بھیرہ میں ایک شخص نے نسخ کا مسئلہ پوچھا اور مَیں نے اپنے فہم کے مناسب جواب دیا اور کہا کہ پانچ کے متعلق میری تحقیق نہیں۔ تو اس دوست نے کہا کہ آپ ان پانچ پر نظر ڈال لیں۔ مَیں نے تفسیر کبیر رازی میں بہ تفصیل ان مقامات کو دیکھا تو تین مقام خوب میری سمجھ میں آ گئے اور دو سمجھ میں نہ آئے۔ تفسیر کبیر میں اتنا تو لکھا ہے کہ شدت اور خفت کا فرق ہو گیا ہے۔ پھر میں ایک مرتبہ ریل میں بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ جیسے بجلی کوندجاتی ہے۔ مَیں نے پڑھا کہ فلاں آیت منسوخ نہیں ہے۔

میں بڑا خوش ہوا۔ کہ اب تو چار مل گئیں۔ صرف ایک ہی رہ گئی۔ بڑی بڑی کتابوں کا تو کیا ذکر ہیں چھوٹ بھیتوں کی بھی پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح پر ایک کتاب میں وہ پانچویں بھی مل گئی۔ اور خدا کے فضل سے مسئلہ ناسخ و منسوخ حل ہو گیا۔

مدینہ طیبہ کی تعجب انگیز باتوں میں سے ہے کہ ایک دن میں نہر پر گیا جو بہت نیچے بہتی تھی۔ اور سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر جانا پڑتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ نیچے ایک آدمی تمام کپڑے اُتارے ہوئے بالکل ننگا مادر زاد کسی اوپر کھڑے ہوئے آدمی سے بہت بے تکلفی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اور وہاں بہت سے آدمی موجود تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا میں نے اُس سے کہا کہ تم اس طرح ننگے حیا نہیں کرتے؟ اس نے بہت بے تکلفی سے جواب دیا کہ انّ اللہ یریٰ وراء الستر جس سے مجھ کو ثابت ہوا کہ مسلمانوں کی عملی حالت اور اُنکے اخلاق فاضلہ میں بہت نقصان آگیا ہے وہاں کے کسی آدمی نے اُس کو منع بھی نہ کیا۔ وہاں بیرونی شہر میں زیدی شیعہ بھی بہت رہتے ہیں۔ اور اُن میں متعہ کا رواج ہے۔ ایک ہمارے دوست تھے انھوں نے وہاں ایک عظیم الشان سرائے لوگوں کے آرام کے لئے بنانی تجویز کی۔ اور بہت سا روپیہ اُسپر خرچ کیا۔ وہاں کے قاضی صاحب نے سو پونڈ اُس سے قرض مانگے۔ انھوں نے ہمارے پیر و مرشد شاہ عبد الغنی صاحب سے مشورہ لیا۔ انھوں نے فرمایا کہ قرض وغیرہ نہیں یہ تو قاضی صاحب تم سے لیتے ہیں پھر وہ تم کو واپس نہ دیں گے۔ آخر انھوں نے انکار کیا۔ دوسرے ہی دن دار القضا سے حکمنامہ آیا کہ جہاں تم سرائے بناتے ہو۔ یہاں ایک کوچہ نافذ تھا۔ اور نافذ کوچہ کا بند کرنا حدیث

سے منع ہے۔ اس لئے سرائے کا بنانا بند کیا جائے۔ چونکہ اُنکے ہزاروں روپے خرچ ہو چکے تھے بہت گھبرائے۔ آخر ایک بزرگ نے (جن کو میں جانتا ہوں) صلاح دی کہ تم جدہ چلے جاؤ۔ اور انگریزی کنسل سے جاکر ملو، چنانچہ ہمارے دوست وہاں گئے۔ اور تمام حالات انگریزی کنسل سے بیان کئے اس نے قاضی صاحب کے نام ایک چِٹھی لکھدی۔ وہ چِٹھی قاضی صاحب کے پاس پہنچی۔ تو اگلے ہی روز دارالقضا سے حکم پہنچا۔ کہ چونکہ پتہ چلا ہے کہ کوچہ نافذ کی آمدو رفت رُک گئی ہے اور جبکہ آمدو رفت رُکی ہوئی ہے۔ تو اب وہ کوچہ نافذ کے حکم میں نہیں رہا۔ لہذا سرائے بنانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

ایک اور ہمارے دوست تھے۔ انھوں نے وہاں ایک عظیم الشان باغ بنانا چاہا۔ وہاں کے لوگوں اور امیروں نے اس کام میں خوب مدد دی۔ لیکن جب پھل آنے لگا۔ تو رات کو جاکر سب کاٹ لیتے تھے یہ اخلاق قابل افسوس ہیں۔ اور بیان اس لئے کئے ہیں کہ کوئی عبرت حاصل کرے۔ اور شاید کوئی خدا تعالے کا نیک بندہ دُعا کرے۔ ایک دفعہ ایک شخص شاہ صاحب کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ میں مدینہ منوّرہ سے ہجرت کر کے آیا ہوں لیکن یہاں کے لوگوں کے حالات سے میں تنگ آگیا ہوں۔ شاہ صاحب سُنکر بہت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا کہ ہم بھی تو ہجرت کر کے آئے ہیں۔ تم نے اگر جوار نبی کریمؐ کے لئے ہجرت کی ہے تو وہ موجود ہے۔ اور اگر اس لئے کی ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ یہاں موجود ہیں۔ تو یہ لوگ تو بیشک آج موجود نہیں ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔

جن دنوں میں شاہ عبدالغنی صاحب سے تعلیم پاتا تھا۔ ایک دن ظہر کی نماز جماعت سے مجھ کو نہ ملی۔ جماعت ہو چکی تھی۔ اور میں کسی سبب سے رہ گیا مجھے ایسا

معلوم ہؤا کہ یہ اتنا بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ قابلِ بخشش ہی نہیں۔ خوف کے مارے
میرا رنگ زرد ہو گیا۔ مسجد کے اندر گھسنے سے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ وہاں ایک
باب الرحمت ہے اُس پر لکھا ہؤا ہے اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطوا
مِنْ رَحْمَةِ اللہِ اِنَّ اللہ یَغْفِرُ الذنوب جمیعًا انہ ھو الغفور
الرَّحیم اس کو پڑھ کر پھر بھی بہت ڈرتا ہؤا اور حیرت زدہ سا ہو کر مسجد کے
اندر گھُسا اور بہت ہی گھبرایا جب میں منبر اور حجرہ شریف کے درمیان پہنچا۔
اور نماز ادا کرنے لگا تو رکوع میں مجھے جس خیال نے بہت زور دیا وہ یہ تھا کہ
حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض
الجنۃ اور جنت تو وہ مقام ہے جہاں جو التجا کی جاتی ہے وہ مل جاتی ہے۔
پس مَیں نے دُعا کی۔ الٰہی میرا یہ قصور معاف کر دیا جائے۔

مکہ معظمہ میں دوسری مرتبہ

جب میں مدینہ سے مکہ کو چلا۔ راستہ میں دو واقعے بڑے
عجیب پیش آئے۔ اوّل یہ کہ مَیں ہمیشہ سُنتا تھا۔ کہ
مسافروں اور بدوؤں میں لڑائی ہو جاتی ہے اس پر میں نے
خود بہت غور کیا ہے۔ اس کے دو باعث معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ بدّو
ہندوستانی نہیں سمجھتے۔ اور ہندوستانی عربی نہیں جانتے۔ ایک کچھ کہتا
ہے تو دوسرا سمجھتا نہیں۔ جب ایک کا مطلب دوسرا نہیں سمجھتا تو دونوں جلد
تیز ہو جاتے ہیں۔ پس پہلا سبب لڑائی اور بدمزگی کا زبان کی ناواقفیت
ہے۔ دوسرا سبب مجھ کو یہ معلوم ہؤا کہ عربوں میں دستور ہے کہ کھانا کھاتے
ہوئے کوئی دوسرا شخص آ کر شامل ہو جائے تو روکتے نہیں۔ اب مثلاً کسی نے
ایک آدمی کے قابل کھچڑی پکا کر ایک بدو کو دی تو سب کے سب اس میں شریک
ہو جاتے ہیں اور اس طرح سب کے سب بھوکے ہی رہتے ہیں۔ بھوکا آدمی

ویسے بھی جلد برافروختہ اور غضب ناک ہو جاتا ہے۔ ان دونوں اصولوں کو پیش نظر رکھ کر بہت سی کھجوریں خرید کر بدوؤں کی نظر سے پوشیدہ خوب محفوظ کر کے رکھ لیں تھیں۔ جب آدھی رات کا وقت ہوتا تو میں ایک ٹب خوب بھر کر کھجوریں خاموشی کے ساتھ اپنے بدو کو دے دیتا تھا جس سے اُس کا پیٹ خوب بھر جاتا تھا لہذا وہ میری خدمت اس طرح کرتا تھا جیسے ایک وفادار غلام اپنے آقا کی۔ کبھی تو میں تھوڑا سا پانی ساتھ بھی رکھ لیتا تھا۔ اور کبھی بدو سے کہتا کہ مجھ کو پانی کی ضرورت ہے۔ کہیں نہ کہیں سے پانی لا کر مجھ کو دیتا تھا۔ ایک دن رات کو مینے پانی کی فرمایش کی تو اس نے کہا کہ یہاں سے دو تین میل پر ٹھنڈے پانی کا چشمہ آتا ہے ذرا ٹھہریئے۔ لیکن عجائبات قدرت مجھ کو پیاس بہت تھی مینے کہا اچھا ٹھنڈا پانی نہ سہی ویسا ہی سہی۔ رات کے وقت مینے ان لوگوں کے چال چلن میں دیکھا ہے کہ اپنے اونٹ سے علیحدہ ہو کر دوسرے اونٹ والے کے پاس قطعاً نہیں جاتے۔ اس نے مجھ سے گلاس مانگا میرے سامنے ایک ہندوستانی تھے وہ آگے بڑھا اور انکے پاس جا کر نہایت ادب سے کہا کہ ایک معزز شخص کے واسطے ایک گلاس پانی کی ضرورت ہے۔ انھوں نے بجائے اسکے کہ پانی دیتے حرامی حرامی کہہ کر شور مچا دیا۔ وہ بدو بڑی چالاکی سے اپنے اونٹ کے پاس پہنچ گیا اور مجھ سے کہا کہ اس وقت پانی کا کوئی موقع نہیں ملا آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ دو تین میل چلکر جہاں پانی تھا وہاں سے بڑا ٹھنڈا پانی میرے واسطے لایا۔ مینے پانی پیا اور پھر سو گیا دن کے وقت جہاں ڈیرا ہوا تو مینے دیکھا کہ ایک ہندوستانی بیچارے بڑے مضطر ہیں۔ اور شور مچا رہے ہیں۔ مینے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے مشکیزہ میں رات کوئی بدمعاش سوراخ کر گیا ہے۔ اب ہم کو مشکل یہ

ہے۔ کہ مکہ تک پانی نہیں ملے گا۔ میں تاڑ گیا کہ یہ اس ہمارے بدو کا کام ہے
مینے علیحدگی میں اس سے کہا کہ رات اس ہندوستانی کے مشکیزہ میں کسی
نے سوراخ کر دیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نے یہ کام کیا ہو۔ وہ کہنے لگا کہ
مولوی صاحب! دیکھو ہم نے آپ کے لئے اس سے پانی مانگا۔ اور اس نے
ایک گلاس پانی نہ دیا۔ پھر بھلا غصہ آتا یا نہ آتا۔ مینے اس کو بہت ملامت کی
میری دانست میں ان سے حجاج کو کسی قدر ملاطفت اور علیحدگی کا سلوک
بہت مناسب ہوتا ہے۔ مینے آنے اور جانے دونوں موقعوں پر نہ مشکیزہ
رکھا نہ چھاگل۔ مجھ کو پینے کے لئے یا وضو کے لیئے پانی کی کوئی دقت نہیں ہوئی
زبان کی واقفیت پر بھی بہت کچھ مدار ہے۔ میں کسی دن کوئی شعر سنا دیتا تھا تو
سنکر بدو ناچنے لگتے تھے۔

دوسرا واقعہ عجیب یہ ہے کہ ایک جگہ ہم نے ڈیرا کیا میرے مقام کے
قریب ایک عظیم الشان خیمہ تھا۔ اس کے اندر ایک بڑا مباحثہ ہو رہا تھا۔ مینے
اس خیمے کے اندر جانا تو مناسب نہ سمجھا۔ انکے مباحثہ پر میں بہت متوجہ رہا۔ آخری
فقرہ جو ایک مقلد نے پیش کیا یہ تھا کہ کسی مسئلہ میں کسی امام کے بالمقابل ترجیح
دینا اس شخص کا کام ہو سکتا ہے جو اپنے کامل دلائل اور جس کے خلاف چلتا
ہے اس کے دلائل کے جوابات کامل طور پر جانتا ہو۔ اور اگر اس قدر وسیع
واقفیت نہ ہو تو ترجیح کس طرح ہو سکتی ہے لہذا تم لوگ کسی مسئلہ میں ترجیح
کے مستحق نہیں۔ اس وقت مجھ کو یہ خیال آیا۔ کہ کم سے کم ہم بھی تو اس کا کچھ جواب
دیں۔ اور یہ جوانی کی ایک ترنگ تھی۔ مینے بلند آواز سے کہا۔ جب ایک مسئلہ
میں اتنے بڑے علم کی ضرورت ہے تو ایک امام کو دوسرے پر تمام مسائل میں ترجیح
دینے کے لئے تو لاکھوں علوم کی ضرورت ہو گی۔ ہماری اس آواز نے بھی کچھ بجلی کا سا

کام دیا۔ مگر وہ لوگ کچھ امراء تھے۔ اور ان دنوں مجھ کو اُمراء سے تنفر تھا۔

جب مکّہ معظمہ کے قریب پہنچے تو مینے ایک حدیث میں پڑھا تھا کہ حضرت نبی کریمؐ کداء کی طرف سے مکّہ میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن آدمیوں کی بار برداریاں اور سواریاں اس راستہ نہیں جاتی تھیں۔ اس واسطے میں ذیطوای سے ذرا آگے بڑھ کر اونٹ سے کُود پڑا۔ اور کداء کے رستہ سے مکہ میں داخل ہُوا مجھے افسوس ہُوا کہ اس رستہ سے بہت ہی تھوڑے لوگ گئے۔ حالانکہ کوئی حرج نہ تھا۔ صرف ہمت قوت اور معلومات کافی تھی۔

مکّہ معظمہ میں مَیں جہاں رہتا تھا۔ میری عادت تھی کہ اکثر وہیں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کر لیا کرتا تھا۔ جن کے گھر میں مَیں رہتا تھا وہ ایک بوڑھے شخص مخدوم کہلاتے تھے انھوں نے میری اس حرکت کو بار بار دیکھ کر کہا کہ آپ تنعیم سے کیوں احرام نہیں باندھتے مینے کہا کہ میں طالب علم آدمی ہوں۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے۔ آنے جانے میں چھ سات میل کا سفر ہے۔ اور پھر بلا ضرورت اور بیہودہ بات ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکّہ والے مکّہ سے احرام باندھ سکتے ہیں۔ اسپر وہ بڑے گھبرائے اور کہنے لگے کہ آپ تمام شہر کے خلاف کرتے ہیں۔ مینے کہا تمام شہر کے خلاف تو نہیں البتہ گدھے والوں کے خلاف کرتا ہوں جن کے کرایہ میں کمی ہوتی ہے اسپر وہ ہنس کر چپ ہو رہے۔ انکے گھر میں جو سب سے بے نظیر کام دیکھا وہ یہ ہے کہ مخدوم صاحب بہت ضعیف العمر آدمی تھے۔ اور اُنکی بیوی بے نظیر حسین اور بہت کم عمر تھی۔ لیکن وہ اپنے ہاتھ سے کاغذ گھوٹ کر پیسے کما کر اپنے خاوند کے لئے نہایت نرم غذا بنایا کرتی تھی۔ مَیں اس خدمت کو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا۔ ایک دن مینے تنہائی میں اُس سے کہا کہ تم کو اپنے حُسن کی خبر بھی ہے؟ اُس نے کہا خوب

خبر ہے۔ اور میں اپنی اس خبر کی شہادت بھی دے سکتی ہوں اور وہ شہادت
یہ ہے کہ مکہ کی تمام عورتوں کو دیکھ لو یہ اپنے رخساروں پر ایک داغ بناتی ہیں
اور مجھ کو دیکھو میرے چہرہ پر کوئی داغ نہیں اور سارے شہر میں ایسی میں ہی
ایک عورت ہوں۔ یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ مَیں اپنے حُسن کو پہچانتی ہوں
جب عورتوں نے مجھ کو بہت مجبور کیا۔ تو مَیں نے اپنے بالوں کے نیچے گردن پر
داغ بنائے۔ چنانچہ اُس نے اپنے بال اُٹھا کر مجھے دکھلائے۔ مَیں نے کہا اب
دوسرا سوال یہ ہے کہ مخدوم صاحب کی تم اس قدر خدمت کرتی ہو کہ مَیں دیکھ
کر حیران ہو جاتا ہوں۔ یہ نہایت ضعیف العمر آدمی ہیں اور تم نوعمر ہو کہنے لگی
اگر یہ ضعیف العمر نہ ہوتے تو میں کیوں کا غذ گھونٹتی۔ چونکہ خدا تعالےٰ نے میرے
لئے یہ خاوند عطا کیا ہے۔ تو میرا فرض ہے کہ انکے ساتھ بہت غمگسارانہ برتاؤ
کروں۔ مجھ کو معلوم ہوُا اور بہت ہی پسندیدہ معلوم ہوُا کہ نیکی اور نیک طینتی
اس عورت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ مَیں نے جب مخدوم صاحب سے پُوچھا کہ آپ
اسپر مطمئن ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں اسکی راستبازی پر قسم اُٹھا سکتا ہوں
یہ بہت ہی غمگسار ہے اور جس طرح اس کا نام صادقہ ہے اسی طرح یہ
واقعی صادقہ ہے۔

مکّہ معظمہ میں ایک عمدہ طبیب کی بڑی ضرورت ہے۔ ایک اچھا خدا ترس
تجربہ کار طبیب بڑی وسعت سے گذارہ کرسکتا ہے مَیں نے اپنے اُستاد کی والدہ صاحبہ
کی بیماری کا ذکر بھی کیا ہے۔ میں جن دنوں وہاں تھا غالباً وہ ۱۳۰۵ھ سنہ ہجری یا
۱۳۰۶ھ سنہ ہجری کا زمانہ تھا۔ امراض زیادہ تر اولاد کی کمی۔ خون کی کمی۔ قہوہ کی کثرت
عام ضعف پائے جاتے تھے۔ وہاں رہنے کے لئے طبیب ایسا ہو جو کسی قدر
دستکاری بھی جانتا ہو۔

حج کے بعد علی العموم عرب لوگ اپنے گھر کی چیزیں بہت ارزاں فروخت کیا کرتے ہیں۔ خصوصاً جب اُن کا ارادہ عیش و عشرت کے لئے طائف جانے کا ہو۔ تو روپیوں کی چیزیں کوڑیوں میں فروخت کر دینا انکے نزدیک بہت سہل ہے لیکن جب حجاج کی آمد کے دن ہوتے ہیں تو وہی چیزیں جو کوڑیوں میں خریدی تھیں روپیوں میں فروخت ہوسکتی ہیں۔ حج کے بعد کباڑیوں کی طرح خریداری شروع کرے اور حج کے ابتدا میں بیچ دے تو اس طرح بڑی اعلیٰ درجہ کی تجارت ہوسکتی ہے۔ قرضہ کا معاملہ بہت خطرناک ہے۔

مجھ کو ایک نکتہ معرفت وہاں یہ حاصل ہوا۔ کہ چونکہ ہر سال نئے حاجی آتے ہیں اور وہ بہت جلد چلے جاتے ہیں۔ اس واسطے وہاں کے لوگوں کو کسی کامل انسان سے بھی سچی محبت کبھی نہیں ہوسکتی۔ وہاں ہر روز نئے مہمان آتے اور جاتے ہیں۔ اگر وہ شدید محبت کسی سے کریں تو پھر تو اُن کی ہلاکت ہے۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہاں جناب الٰہی کی محبت کے واسطے خالص سامان مہیا ہے۔ انسانی محبتیں کوئی چیز نہیں وہاں کے شرفا اور حجی لوگ اور عرب اور عربانیہ بیشک وہاں کے تمدن و معاشرت کا قابل قدر نمونہ ہیں۔ اور انکی مجالس میں فصیح زبان بھی بولی جاتی ہے۔ گو کہ گنتر منتر بھی بول لیتے ہیں۔

بہر حال بمبئی پہنچے۔ ایک میاں بیوی جن کو میں نے مکہ میں دیکھا تھا۔ مجھ کو ملے پس اُن سے کہا کہ اگر تمہارا کچھ اسباب ہو یا تم کو اپنے گھر والوں کو کوئی پیغام دینا ہو تو مجھ کو دے دو۔ میں ریل کے راستے جلد جاؤں گا۔ انھوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ہم آہستہ آہستہ دریا کے راستے ملک کو جائیں گے۔ وہ دونوں بہت شریف معلوم ہوتے تھے۔ وہ عورت سر سے کپڑا اُتار کر میرے

پاؤں پر گر پڑی۔ اور کہا کہ صرف آپکی مہربانی یہ ہے کہ ہمارا پتہ اُس ملک میں
کسی کو نہ دیں۔ مینے حیرت سے پوچھا کہ یہ بات کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میں
ایک شریف عورت ہوں کم عمری میں بیوہ ہو گئی اور ہمارے یہاں بوجہ شرافت
کے بیوہ کا نکاح نہیں کرتے۔ اور یہ بزرگ پیری مریدی کرتے ہیں ہمارے
پڑوس میں اُنکے مرید رہتے ہیں۔ مینے ان سے مخفی طور پر نکاح کر لیا ہے
جسکی خبر ہمارے گھر والوں کو نہیں۔ اس طرح مجھ کو گیارہ دفعہ اسقاط کرانا
پڑا۔ پھر بھی میرے اندرونی جوش جوانی کے ایسے تھے کہ مینے مولوی صاحب
سے عرض کیا کہ ہم آزادانہ میاں بیوی کے طور پر نہیں رہتے۔ تم یہ کرو کہ
ملتان پہنچو اور وہاں ایک جگہ مقرر کر لی کہ میں بھی ملتان پہنچتی ہوں۔ پھر وہاں
ہم خوب کھل کر رہیں گے۔ جب میں حج کے ارادہ سے چلی تو میرے بھائی جو
آسودہ حال تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں تاکہ تم کو
تکلیف نہ ہو۔ مینے اس بات کو منظور کر لیا۔ رات کو کسی گاؤں میں ہم لوگ
ٹھہرے رات کو بڑی شدت سے آندھی اور بارش آئی۔ اور تمام مسافروں
میں افراتفری مچ گئی۔ مینے دور اندیشی کے طور پر عین بارش اور ہوا کے
طوفان میں وہاں سے جنگل کی طرف رُخ کیا اور صبح تک دوڑتی بھاگتی چلی گئی
اور کچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جاتی ہوں صبح کی روشنی میں مینے لوگوں سے پوچھا کہ
ملتان کا راستہ کونسا ہے؟ لوگوں نے مجھے ایک سڑک پر ڈالدیا میں نہیں
جانتی کہ میرے بھائی واپس ہوئے یا کہاں تک انھوں نے میری تلاش کی
میں جب ملتان پہنچی تو یہ میرے میاں صاحب منتظر کھڑے تھے۔ وہاں سے ہم
بخوشی و خرمی مکہ پہنچ کر مدتوں رہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے ہمارے گھر والونکو
کوئی خبر نہیں پہنچی۔ اب میں جاتی ہوں ملتان کے اردگرد میں اپنے میاں صاحب سے

الگ ہو جاؤنگی۔ یہ اصل بات ہے۔ پس آپ ہمارا کوئی ذکر نہ کریں۔ یہ قصہ صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ بیواؤں کو بٹھانا اچھا نہیں۔ وہ عورت کسی زمانہ میں ہمارے گھر میں بھی آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے جن کے گھر میں جوان اور بیوہ عورتیں ہیں کہ ان کا نکاح استخارہ کرکے کر دیں۔

بمبئی

واپسی میں میں دہلی اُترا اور میرے ایک پرانے رفیق نے مجھ سے بیان کیا کہ تمہارے طبیب اُستاد یہاں دہلی میں ہیں۔ میں اُس کو ساتھ لے کر حضرت اُستاد کی خدمت میں پہنچا مجھے فرمایا کہ تم حرمین سے کیا کیا لائے۔ میں نے بعض لطیف کتابوں کا ذکر کیا۔ جو میں وہاں سے لایا تھا۔ تو آپ نے فرمایا وہ سب مجھے دے دو۔ میں نے انشراح صدر سے کہا کہ وہ تو آپ ہی کی چیز ہے۔ لیکن میں نے صندوقوں کو لاہور بھیج دیا ہے۔ کیونکہ ریل وہاں تک ہے۔ میں لاہور پہنچکر وہ صندوق آپ کی خدمت میں بھجوا دونگا۔ آپ نے سُنکر فرمایا۔ کہ ہم بھی لاہور دیکھنا چاہتے ہیں۔ آج ہی چلیں۔ میں بڑی خوشی سے حاضر ہوا۔ اور آپ لاہور تشریف لائے۔ بہت سے مقامات کی سیر میں میں آپ کے ساتھ ہی تھا۔ باتوں باتوں میں ذکر کیا۔ کہ وہ صندوق ریل سے منگواؤ۔ میں جب ریل کو جانے لگا تو فرمایا کہ ہم ہی منگوالیں گے۔ چنانچہ اپنے نوکر کو (جن کا محصول میں نے ابھی ادا نہیں کیا تھا) اپنی گرہ سے محصول دیکر منگوا لئے۔ پھر مجھ سے کہا کہ یہ ہم نے صرف اس لئے کیا کہ کچھ ہمارا حصہ بھی ان میں شامل ہو جائے۔ مطلب یہ کہ بمبئی سے لاہور تک کا کرایہ ان صندوقوں کا انھوں نے دے دیا۔ اصل رحمت الٰہی کا ذکر کرنا مجھے مقصود ہے۔ کہ اُس وقت میری جیب میں اتنے روپے بھی نہ تھے کہ میں ان صندوقوں کا محصول دیتا۔ بہر حال میں آپ کو رخصت کرکے شہر لاہور میں داخل ہوا تو ایک میرے وطن کا ہندو جس کے پاس باربرداری کے

سامان تھے۔ اس نے مجھے کہا کہ میں آپ کا اسباب بھیرہ لئے چلتا ہوں آپ مجھے روپیہ بھیرہ میں دے دیں۔ اس طرح مجھے اللہ تعالےٰ نے معہ اسباب کے بھیرہ میں پہنچا دیا۔

وہاں میرے ملنے کو شہر کے بہت سے ہندو مسلمان جمع ہوئے تو اسی جلسہ میں ایک مولوی صاحب نے یہ ذکر بھی کیا کہ بخاری ایک کتاب ہزار سال سے گمنامی کے کونے میں پڑی ہوئی تھی۔ دلی کے ایک شخص نے جس کا نام اسمٰعیل تھا اس نے اس کو شائع کیا۔ یہ خطرناک کلمہ ایسا تھا جس سے میرے کان آشنا نہ تھے اور مَیں نے اس قسم کا کلمہ کسی خارجی یا شیعہ سے بھی نہیں سُنا تھا چہ جائیکہ ایک حنفی مذہب کے ممتاز عالم کے مُنہ سے نکلا مجھے تعجب ہُوا پھر میرے دل میں غیظ و غضب پیدا ہوُا۔ وہ پہلا ہی دن تھا کہ میں اپنے وطن میں پہنچا تھا۔ بہت کچھ نشیب و فراز دل میں پیدا ہوئے۔ آخر مَیں نے اتنی بات سے رُکنا مناسب نہ سمجھا کہ مَیں نے کہا کہ اوّل تو ابھی طالب علمی سے آیا ہوں نہ میرا مطالعہ نہ میری وسعت نظر۔ نہ مجھے تجربہ۔ لیکن بخاری کی ساٹھ شروح کے نام مجھے یاد ہیں۔ اگر ایک شرح کو سولہ برس کے قریب قریب ختم کر لیا جائے۔ جو کچھ زیادہ مدت نہیں معلوم ہوتی۔ تو اس ہزار برس میں ہر روز بخاری کی شرح لکھی گئی ہے اور یہ شرح شافعی مذہب کی بھی ہیں۔ حنفیوں کی بھی۔ مالکیوں اور حنابلہ کی بھی ہمنے خود بخاری کو ایک بڑے حنفی المذہب مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھوپال میں پڑھا ہے۔ پھر شاہ عبدالغنی صاحب سے بھی۔ ان دونوں کی صحبت میں مَیں نے کبھی ایسے لفظ نہیں سُنے یہ میرا فقرہ اُس مولوی صاحب کے قلب پر بجلی کا کام کر گیا۔

پھر ایک دن مَیں اپنی مسجد میں مشکوٰۃ پڑھ رہا تھا۔ اس میں یہ حدیث آئی

کہ جو کوئی اذان کی آواز سُنے وہ اذان کے کلمات کہے اور بعد میں اللّٰہُمَّ
رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعوۃِ التّامۃ الخ آخر تک دعا پڑھے حلت لہ شفاعتی
اس حدیث کے بیان کو ایک شخص عبدالعزیز نام پشاوری جسکو عزیز بھی کہتے
تھے سُنکر مجھ سے کہنے لگا۔ کہ آپ یہ دُعا لکھ دیں۔ اس وقت میرے پاس
اتفاق سے انگریزی لکھنے کا لوہے کا قلم تھا۔ جو بہت ہی باریک تھا اسی سے
مینے وہ دُعا لکھدی۔ وہ چونکہ ضعیف العمر اور نظر کا کمزور تھا۔ اُس نے پڑھنے
کی کوشش کی۔ مگر اسکی کم نظری نے روک دیا۔ وہ پرچہ لے کر ایک مشہور کاتب
محمد دین کے پاس پُہنچا۔ کہ یہ دُعا آپ بہت موٹے حروف میں خوشخط لکھدیں
کاتب صاحب نے تو آگا پیچھا ہی نہ دیکھا کہ یہ دُعا تو شفاعت کے لئے ہے
وہ اس کاغذ کو لے کر بخاری کے دشمن مولوی صاحب کی خدمت میں پُہنچے اور
کہا کہ اس شخص کے قلم سے وارزقنا شفاعتہٗ کا لفظ ارادتاً چھوٹ گیا
ہے۔ مولوی صاحب کے اس پہلے غضب پر یہ میرا لکھا ہُوا کاغذ اور بھی خطرناک
کام کر گیا۔ اور اب وہ میرے مقابلہ کے لئے بالکل تیار ہوگئے۔ وہ ابھی کچھ منصوبوں
ہی میں تھے۔ کہ ایک روز صبح کے وقت ایک سید صاحب اور انکے ساتھ
ایک متولی صاحب دونوں میرے پاس آئے۔ اور شاہ صاحب نے مجھ سے
کہا کہ میرے سُسرال میں ایک جماعت جو نمازوں میں رکوع اور قومہ میں
رفع یدین کرتے ہیں۔ آپ کا فتویٰ ان لوگوں کی نسبت کیا ہے کہ ان سے کیا
معاملہ کیا جائے۔ کیونکہ وہاں جھگڑے میں آپ کو منصف مقرر کیا گیا ہے۔ مینے
اس وقت کمزوری سے کام لیا۔ اور اُن سے کہا کہ پہلے پتہ لگایا جائے اور ان
رفع یدین کرنے والوں سے پُوچھا جائے کہ وہ شیعہ ہیں یا سنی۔ اور سنیوں
میں وہ شافعی ہیں یا حنبلی۔ اگر اس قسم کے لوگ ہوں تو انکے مذہب میں

رفع یدین ثابت ہے۔ ہاں اگر وہ حنفی مذہب کے مقلد ہیں تو پھر اُنکے متعلق اُنکے مناسب فتوےٰ دیا جا سکتا ہے۔ سیّد نے اس فتوےٰ کو بہت پسند کیا۔ اور دونوں واپس چلے گئے۔ قدرت ہی کے تماشے ہیں۔ جب وہ دونوں صاحب مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے اُتر گئے۔ تو وہ مولوی صاحب جو بخاری پر ناراض اور دُعائے شفاعت پر گھبرائے ہوئے تھے پاس سے گذرے۔ اور انھوں نے شاہ صاحب سے پوچھا۔ آپ یہاں کس طرح آئے تھے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ مینے ایک سوال کیا تھا مگر بہت ہی معقول جواب دیا ہے شاہ صاحب سے سُنکر مولوی صاحب نے اُن کو بتاکید فرمایا کہ میں یہاں کھڑا ہوں۔ آپ اس سے یہ اور دریافت کر آئیں۔ کہ آپ کے نزدیک رفع یدین کا کیا حکم ہے۔ وہ شاہ صاحب جب واپس تشریف لائے اور مینے ان کو دیکھا تو اپنی کمزوری پر بہت ہی افسوس کیا۔ خیر انھوں نے جیسا ان کو مولوی صاحب نے سمجھایا تھا اسی طرح کھڑے کھڑے ہی مجھ سے دریافت کیا۔ میں تو پہلے ہی اپنی حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ مینے اُن سے کہا کہ میرے نزدیک رفع یدین کرنا جائز ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ کا ایسا خیال ہے تو آپ کا اس ملک میں یا کم سے کم اِس شہر میں رہنا محال ہوگا۔ مینے انکو جیسا کہ میں تیار ہو ہی چکا تھا۔ کہا کہ یہ خدا تعالےٰ کے کام ہیں اس میں بندوں کا کوئی دخل نہیں۔ پہلے دن کی گفتگو۔ وہ دُعا۔ شاہ صاحب کا یہ سوال ان تینوں چیزوں نے ملکر اپنا ایک عجیب کیمیاوی اثر دکھلایا۔

ایک دن صبح کو میں اپنے مکان سے اُترا تو حکیم فضل الدین صاحب جو میرے بڑے مخلص اور محسن اور پیارے اور دل سے فرمانبردار دوست

تھے رحمہم اللہ کچھ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ اذان کی دُعا کس طرح ہے؟ وہ سوال میں بہت ہی ادب کیا کرتے تھے۔ مَیں نے اُن کو حسب معمول دُعا سُنا دی۔ انھوں نے کہا یہ کہاں لکھا ہے؟ مَیں نے کہا آپ کیوں گھبراتے ہیں۔ کبیری شرح منیہ اور لمعات شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی میں ایسا ہی ہوگا۔ میرے مکان کے نیچے بہت سے مسلمان بیمار بھی ہوا کرتے تھے۔ لیکن اُس دن خلاف معمول کوئی آدمی نہ تھا۔ اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا۔ جسکی حالت پر اب مجھ کو رحم آتا ہے۔ اس کا نام غلام محمد تھا۔ قوم جُلاہا مگر بہت جوشیلا آدمی تھا۔ رحم کی وجہ یہ ہے کہ اب اسکی اولاد میں ایک لڑکا دیکھا ہے جو بڑا جوشیلا شیعہ ہے۔ اور رفع یدین کو تو وہ قریباً فرض ہی سمجھتا ہے یہ خدا تعالےٰ کے عجائبات ہیں۔ اُسنے آکر کہا کہ حضرت پیر صاحب کی بی بی بہت سخت بیمار ہیں۔ آپ وہاں چلکر اُن کو دیکھ لیں۔ مَیں اُن پیر صاحب کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اس واسطے بلاتکلف اُس کے ساتھ ہولیا۔ وہ بڑی تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا چلا۔ مَیں نے بہت سی مخلوق رستہ میں دیکھی جو بے ساختہ پیر صاحب کے مکان کی طرف جارہے تھے۔ جب میں اُنکے دروازہ کے قریب پہنچا۔ تو وہاں بڑا اژدحام خلقت کا مجھے نظر آیا۔ لیکن انکے زنانخانہ کی طرف نہ کوئی مرد جاتا ہوا دیکھا نہ کوئی عورت۔ میاں غلام محمد صاحب کو دیکھا تو وہ بھی وہاں غائب ہوگئے۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ فریب سے مجھ کو کسی دوسری غرض کے لئے بُلایا گیا ہے۔ لیکن اُس وقت وہاں سے کوئی واپس جانے کی صورت نظر نہ آئی تو ناچار میں بھی مردانہ کی طرف خود بخود چلا گیا۔ وہاں پیر صاحب ایک بڑی چارپائی پر گاؤ تکیہ لگائے اور اپنے دونوں پاؤں کو چارپائی کے دونوں

طرف رکھے ہوئے چت تھے۔ اور ایک عالم جو اس شہر سے باہر کے تھے اور ہیں اُس دم تک اُن کے علم اور تقدس اور نیکی کا بڑا معتقد تھا۔ اُن کو دیکھا کہ اُن اُن پڑھ پیر صاحب کے پاؤں پر ماتھا رکھے ہوئے اور ہاتھ سے اُن کا پیر دبائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ مَیں دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔ مَینے کراہت سے اُن کو دیکھ کر پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ کہ آپ کی بیوی بیمار ہے۔ آپ کا آدمی گیا تھا۔ چلئے اُس کو دیکھ لوں۔ انھوں نے کہا کہ ایک مسئلہ ضروری ہے۔ پہلے اُسکی نسبت آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ مَینے کہا آپ تو پیر ہیں مسائل سے آپ کو کیا غرض پڑی ہے آجکل تو پیر مسائل سے قطعاً سبکدوش ہیں۔ ابھی مَیں کھڑا ہی تھا کہ انھوں نے دوبارہ اصرار کیا مگر وہ ایسے ذہین اور فہیم تھے کہ فوراً تاڑ گئے کہ یہ زمین پر بیٹھے گا نہیں۔ چارپائی پر ہی بیٹھے گا یہ اُنکی فراست نہایت صحیح تھی۔ جلد تاڑ کر کہا کہ اوہو! علماء تو سب نیچے بیٹھے ہیں۔ اور یہ رسول کے جانشین ہیں۔ ہمارے نوکروں نے بڑی غلطی کی کہ ہمارے لئے چارپائی بچھائی۔ اپنے نوکروں سے کہا کہ جلد چارپائی اُٹھاؤ۔ چارپائی کے اُٹھنے سے جگہ بھی فراخ ہو گئی۔ پیر صاحب بھی نیچے ہی بیٹھ گئے۔ مَینے کہا کیا مسئلہ ہے؟ کام سب خدا یتعالیٰ کے فضل سے ہی ہوتے ہیں۔ اصل محرّک مولوی صاحب کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ اور اُس میں ایک جگہ انھوں نے اپنی اُنگلی رکھ چھوڑی تھی۔ مَیں سمجھا کہ کوئی ایسا مسئلہ ہو گا۔ جس کا اس کتاب میں ذکر ہے مَینے خدا یتعالےٰ کے کامل رحم اور بندہ نوازی سے اس کتاب کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہا کہ بھائی صاحب یہ کیا کتاب ہے۔ تو مولوی صاحب

نے بڑے غضب سے کہا کہ آپ میرے بھائی نہیں۔ حالانکہ میں رشتہ میں انکو بھائی سمجھتا تھا۔ میں نے کہا یہ تو کوئی ناراض ہونے کی بات نہیں اگر اخوت اسلامی کے سبب آپ بھائی ہونا نہیں مانتے تو ہمارے یہاں سکھوں کو بھی بھائی کہتے ہیں۔ تب انھوں نے اپنے ہاتھ سے کتاب چھوڑ دی اور کہا کہ ان متنوں میں آپ لے لیں۔ جہاں انکی انگلی رکھی ہوئی تھی میرے ہاتھ میں آکر وہ مقام تو مل گیا۔ میں اپنے مولا کی کس مہربانی کا ذکر کروں وہ کتاب دلائل الخیرات مطبع کانپور کی تھی۔ میں نے ہاتھ میں لیکر جب اس کو کھولا تو اس کے ساتویں صفحہ پر میری نظر پڑی اور اس میں اذان کی دعا وہی لکھی تھی جو میرے ہاتھ سے لکھی گئی تھی۔ اب میں خوشی سے اس قدر جوش میں آگیا کہ میں بیٹھ نہیں سکا اور میرے دل میں یہ بات جوش زن ہو گئی کہ بہر حال یہ عالم آدمی ہے اور بڑا ہوشیار ہے اس نے ضرور اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہوگا۔ لیکن اب تو وہ لفظ دلائل الخیرات میں موجود نہیں۔ ہو نہ ہو یہ وارزقنا کا لفظ خدا تعالیٰ نے کاٹ دیا ہے میں نے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا کہ تم نے بنی اسرائیل میں ایک لڑکے کا قصہ سنا ہو گا کہ وہ توریت پڑھتا تھا۔ اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آتا تھا۔ تو کاٹ دیتا تھا۔ اور پھر خود بخود قدرت خدا سے اس میں نام لکھا جاتا تھا سب نے کہا کہ ہاں۔ ہم نے یہ قصہ سنا ہے میں نے کہا وہاں تو کاٹا ہوا پھر لکھا جاتا۔ اور یہاں خدا تعالیٰ نے لکھا ہوا کاٹ دیا۔ اس دلائل الخیرات کو دیکھو۔ اس میں وارزقنا کا لفظ کٹ گیا ہے وہ لوگ تو پہلے ہی دلائل الخیرات میں اس دعا کو دیکھ چکے تھے کہ وارزقنا کا لفظ لکھا ہوا موجود ہے۔ سب اٹھ اٹھ کر اور جھک جھک کر

دیکھنے لگے۔ اور اس بات سے (کہ پہلے انھوں نے کونسے صفحہ پر یہ دعا دیکھی تھی اور اب یہ ساتواں صفحہ تھا) حیران و ششدر رہ گئے۔ میری تیز زبانی اور طاقت اور بھی بڑھ گئی۔ پیر صاحب فوراً سمجھ گئے اور انھوں نے پہلو بدل کر کہا کہ یہ مولویوں کی بحث ہے۔ ہم اس کو نہیں جانتے مسئلہ دراصل وہ جو ہم دریافت کریں یہ ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شئی اللہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ میں اپنے مولا کی حمد کس طرح بیان کروں۔ اور میری کیا ہستی ہے کہ اسکے فضل و کرم اور تصرفات پر قربان ہو جاؤں۔ مینے ان سے کہا کہ پیر صاحب آپ تو یا شیخ الخ کے وظیفہ کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں پہلے اپنے مولویوں سے یہ تو پوچھو کہ وہ جناب شیخ کو قطعی جنتی بھی مانتے ہیں یا نہیں۔ پیر صاحب نے کہا ہاں یہ انصاف کی بات ہے۔ وہاں بہت سے مولوی موجود تھے۔ سب نے متفق ہو کر کہا کہ سوائے عشرہ مبشرہ کے ہم کسی کو قطعی جنتی نہیں جانتے۔ مینے پیر صاحب کو کہا کہ یہ تو آپ کے باپ کو (وہ شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے) جنتی بھی نہیں مانتے۔ شیئاً للہ کا وظیفہ کیا۔ انھوں نے بہت گھبرا کر اور بڑی حیرت کے لہجہ میں کہا۔ "ارے او مولویو یہ کیا کام کرتے ہو"۔ غرض وہ سحر تو باطل ہو گیا۔ اب پیر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ مجھ سے کہنے لگے آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں۔ اپنا خیال بتائیں۔ مینے کہا بخاری شریف میں لکھا ہے۔ کہ سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ قطعی بہشتی ہیں یعنے صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ حضور نبی کریمؐ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا اور اچھے لوگوں نے اسکی تعریف کی تو آپ نے فرمایا وجبت جب اس کے معنے پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا کہ جسکی اچھے لوگ تعریف

کرتے ہیں تو وہ جنتی ہوتا ہے چونکہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسبت جہاں
تک میرا خیال ہے ہزارہا بزرگوں نے تعریف فرمائی ہے۔ لہذا اُس
حدیث کی رو سے میں ان کو یقینی جنتی سمجھتا ہوں۔ مولویوں میں سے اُس
وقت ہمارے قابو میں آ گئے۔ اصل وظیفہ کے متعلق پوچھنا تو رہ ہی گیا
بات کچھ اور کی اور ہی ہو گئی۔ تب میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے۔ میں اصل
حقیقت کو سمجھ گیا ہوں۔ اب آپ اپنے گھر چلے جائیں۔ خیر خدا تعالیٰ کے
فضل و نعمت کا شکر ادا کرتا ہوا با آرام اپنے گھر پہنچ گیا۔ اور وہ جادو
محض خدا تعالےٰ کے فضل سے باطل ہو گیا۔

ایک دفعہ وہاں کے علماء مباحثہ کے لئے جمع ہوئے۔ وہاں کی جامع
مسجد کو جو شیر شاہ کی بنوائی ہوئی ہے اکھاڑہ بنایا۔ کئی قسم کی گفتگو کے بعد
یہ فیصلہ ہوا کہ تم جو اولیاء کا پکارنا شرک کہتے ہو۔ اگر علماء میں سے کسی نے
ایسا لکھا ہو تو بلا گفتگو اس امر کو مان لینگے۔ بہت سے علماء تھے۔ جن سے
یہ اقرار پختہ کرایا گیا۔ دوسرے دن میں تفسیر عزیزی کو لے گیا۔ اور اس میں
سے وتبتل الیہ تبتیلا کا موقعہ اُن کو دکھایا گیا۔ جہاں شاہ
عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "وبعضے پیر پرستان از زمرۂ مسلمین در
حق پیران خود امر اوّل را ثابت مے کنند و در وقت احتیاج ہمیں اعتقاد
با نہا استعانت مے نمایند الخ" اس کے لطیف جوابوں میں ایک شخص نے
جو بڑے پیر بنے ہوئے تھے اور عالم بھی مشہور تھے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا
اور کہا کہ آپ گھبرا کر کیوں بات کرتے ہیں۔ یہاں کیا کوئی تمہارا دشمن ہے؟
مجھ کو اُن کی اس بات پر بہت ہی حیرت و افسوس ہوا۔ مگر دوسرے
مولوی نے کہا کہ یہ لفظ پیران (بیائے فارسی) نہیں بلکہ بیران (بیائے موحدہ)

ہے اور بیر ہنومان کو کہتے ہیں۔ پھر آپس میں کچھ اشارے کر کے
سب کھڑے ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ کوئی خاص منصوبہ میرے متعلق انھوں نے
تجویز کیا تھا۔ اور اسی لئے انھوں نے ایسی بھی کوشش کی تھی۔ کہ وہاں میرے
دوستوں میں سے ایک شخص بھی موجود نہ تھا۔ میں اُس وقت اپنے دل
میں یہ دُعا مانگ رہا تھا عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ
اس مسجد جامع میں ایک منبر تھا۔ ایک مولوی اُسپر جا کھڑا ہوا ایک دُنیادار
آدمی جس کو میرے خسر سے محبت تھی اُس عظیم الشان اژدحام اور کہرام
میں میرے پاس سے یہ کہتا ہوا گذر گیا۔ اگر یہ وقت ٹل جائے تو پھر ہم
انتظام کر سکتے ہیں" جب مولوی کھڑا ہوا تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب یہ کسی
قسم کا فتویٰ دے گا اور اُس فتویٰ کی مجھ کو حقیقت معلوم نہ تھی۔ میرے
داہنی طرف شہر کے تحصیلدار کھڑے تھے۔ اُن کا نام رام داس تھا۔
اور اُن کے داہنے ہاتھ پر تھانہ دار تھے جن کا نام لینا میں مناسب
نہیں سمجھتا۔ اور تھانہ دار کے داہنے اور پیچھے بہت سے سپاہی تھے
باقی ہزار ہا مخلوق اُن کے پیچھے تھی۔ اُس تھانہ دار کا نقارہ تو صحیح تھا
کیونکہ مولوی ہمارے مخالف تھے۔ لیکن مجھ کو بڑا تعجب ہوا۔ جبکہ تحصیلدار
نے بھی مجھے دھمکی دی اور کہا کہ آپکی نسبت جو یہ شخص فتویٰ دینے لگا
ہے اس میں یہ شخص مختار ہے۔ اِس وقت محض خدا تعالےٰ کے فضل سے
میرے دل میں آیا کہ جیسا میرے خسر کے دوست نے کہا ہے وقت
ٹل جائے تو اس ٹلنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ مینے خدا تعالیٰ سے
تائید پا کر اپنی پوری طاقت سے تحصیلدار کی رگِ گردن کو جو شہ رگ
کہلاتی ہے انگوٹھے اور اُنگلی کی مدد سے اِس طرح دبایا کہ تحصیلدار صاحب

کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ تھانہ دار کو جب یہ معلوم ہوا کہ تحصیلدار مار اجا چکا تو اس کو خیال آیا کہ ہم تھانہ سے باقاعدہ روزنامچہ میں روانگی درج کر کے نہیں آئے۔ ہم کو تھانہ سے باقاعدہ آنا چاہیئے۔ چنانچہ تحصیلدار کے بیہوش ہو کر گرتے ہی تھانہ دار مع تمام سپاہیوں کے وہاں سے بھاگ گیا۔ اس کے جاتے ہی تمام مسجد خالی ہو گئی۔ حتّٰی کہ اُن منبر پر چڑھنے والے مولوی صاحب کا بھی کوئی پتہ و نشان نہ تھا۔ تحصیلدار رام داس کو جب ہوش آیا تو اُن کا چہرہ زرد اور مُنہ فق تھا۔ اور اس تمام مسجد میں سوائے میرے اور اُن کے کوئی تیسرا آدمی نہ تھا۔ تحصیلدار نے بڑی لجاجت اور خوف زدہ آواز سے کہا کہ مہاراج میں آپ کا مخالف نہیں ہوں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اندیشہ ہے کہ یہ مذہب کے جوش میں مجھ کو قتل نہ کر ڈالے۔ مَیں نے ان کو محبّت سے اُٹھایا اور گلے لگا لیا۔ لیکن اُن کا اندیشہ رفع نہ ہوا۔ تحصیلدار قد میں مجھ سے چھوٹے اور بڑے شریف الطبع انسان تھے۔ مَیں نے ان کو اپنی بغل میں دبا لیا اور اسی طرح بغل میں لئے مسجد سے باہر نکلا۔ لوگوں کو مَیں نے دیکھا کہ ہوا ہو گئے تھے۔ کسی کا پتہ و نشان نہ تھا۔ جوں جوں ہم دونوں شہر کے قریب آتے جاتے تھے۔ تحصیلدار کا چہرہ بشاش ہوتا جاتا تھا جب ہم دروازہ میں آئے تو انھوں نے ذرا ہوش سنبھالا۔ اور جب چوک میں پہنچے تو بالکل سنبھل گئے اور مجھ سے کہا کہ آپ ارشاد کریں تو میں تحصیل کو چلا جاؤں مَیں نے کہا ہاں جاؤ۔ اُنکی شرافت کا یہ حال ہے کہ آخری دم تک انھوں نے اور اُنکے بیٹے ڈاکٹر فتح چند نے میری ہمیشہ سچی تعظیم کی اور کبھی بھی اس امر کا اظہار نہ کیا۔ وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؎

عجائبات مباحثہ میں سے ایک مباحثہ میں نے اپنے ملک میں یہ دیکھا کہ
میں ایک گاؤں میں مباحثہ کے لئے بُلایا گیا۔ مقام مباحثہ میں جب میں
پُہنچا تو ایک بڑا میدان دیکھا کہ اس میں بہت سی چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں
اور چارپائیوں پر ایک ایک کتاب علیحدہ علیحدہ کرکے برابر پھیلی ہوئی
ہیں۔ مینے بھی ان میں سے بعض کو دُور سے رکھے ہوئے دیکھا۔ کتابیں
اس قدر فراہم کی گئی تھیں کہ انھوں نے وہ بہت بڑا وسیع میدان پُر
کردیا تھا۔ مینے مہتمم مباحثہ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ معلوم ہُوا کہ
یہ کتابیں رفع یدین والی حدیث کی تردید میں ہیں مجھ کو بہت تعجب ہُوا
کہ اس حدیث کی تردید تو چند محدّثین اور چند فقہا کے اقوال سے بھی یہ
لوگ کرسکتے تھے۔ اس قدر وسیع کتب خانہ پھر کتابوں کو ایک ایک
کرکے پھیلا کر رکھنے سے کیا فایدہ!؟ میں اول اس کمرہ میں گیا جہاں مباحثہ
تجویز ہُوا تھا۔ مینے مولوی صاحب سے عرض کیا کہ یہ کتابوں کا کیا کارخانہ
ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے میرے دل میں ایک سہل بات ڈالی اور اُسکی
محرّک معمولات مظہری نام ایک کتاب ہوگئی۔ جو اُس وقت میرے کوٹ
اور کرتہ کے درمیان رکھی تھی۔ مینے کھڑے ہی کھڑے مولوی صاحب سے
پُوچھا کہ اگر معمولات مظہری میں جو آپ کے پیروں کے پیر کے ملفوظات
ہیں کوئی اس قسم کا فیصلہ نکل آئے جو فرض کرو ان کتابوں کے خلاف ہے
تو کیا آپ اپنے پیر کو چھوڑ دینگے؟ باعثِ مباحثہ بھی کھڑا ہی تھا۔ میں
بھی کھڑا تھا اور وہ بزرگ بیٹھے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ ہمارا طریقت
کا پیر ہے شریعت کا پیر نہیں۔ مینے کہا کیا وہ شرعی امور کے مخالف ہوکر
بھی آپ کی طریقت کے پیر رہ سکتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا۔ ہاں۔ باعث

مباحثہ جو ایک بڑا ہوشیار دُنیا دار آدمی تھا۔ وہ تاڑ گیا اور اُس نے
ذہنت سے مجھ سے کہا کہ میں تو حقیقت کو پہنچ گیا۔ یہ لوگ تو آپ سے کچھ
بھی مباحثہ نہیں کر سکتے۔ مجھ کو تو کسی کاوش کی ضرورت نہ تھی میں وہاں سے
گھوڑے پر سوار ہو کر اس ارادے سے کہ اپنے گھر چلا جاؤں۔ اس گاؤں سے باہر
نکلا۔ لیکن ایک آدمی نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا میرے پاس پہنچا۔ اور
اس نے آتے ہی میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ یہ ڈھول کی
آواز نہیں سُنتے؟ میں نے کہا کہ میں تو ڈھول کی آواز پہچانتا نہیں۔ اُس نے
کہا کہ یہ فلاں دنیادار نے اس خوشی کا ڈھول بجوایا ہے۔ کہ آپ ہار گئے
ہیں۔ مجھ کو بڑا تعجب ہوا۔ اور میں نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر اپنے آپکو
پھر اسی مقام پر پہنچایا۔ اب اس دُنیا دار کو بھی ہوش آیا۔ میں نے اُس سے
کہا کہ تم نے مجھ سے تو کہا کہ حقیقت معلوم ہو گئی۔ یہ لوگ مباحثہ نہیں کر
سکتے اور اب سُنا کہ یہ فتح کا ڈھول بجوایا ہے۔ یہ سُنکر اس نے ڈھول
بجانے والے کو بڑی فحش گالی دے کر نیچے اُتارا۔ میں نے اس دنیا دار کو دھمکی
دی کہ اگر اس طرح آدمی فتحیاب ہو سکتا ہے تو تمہارے مخالف تم کو
جان سے مار ڈالنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔ تم نے سوچا سمجھا نہیں اور غور
سے کام نہیں لیا۔ تحریری اور تقریری مباحثہ کرا لو اور ان شرارتوں سے
اپنے آپکو محفوظ رکھو۔ پھر وہاں سے میں ایک بڑے پُر امن مکان میں
چلا گیا۔ تھوڑے سے تحریری مناظرہ کے بعد کتابوں والے مولوی صاحب
نے مناظرہ کو روک دیا۔ میں انکو جانتا تھا کہ وہ مناظروں سے دُور رہنے
والے آدمی تھے۔ میں انکو بہت شریف الطبع اور نیک طبیعت خیال کرتا
تھا۔ لیکن اُن کے اس لفظ پر مجھ کو اس وقت تک تعجب ہے کہ انھوں نے

میرے سامنے یہ کہا کہ اس ملک میں کوئی مذہبی مباحثہ کبھی نہیں ہوتا تھا
اس گاؤں کے مولوی نے تفرقہ ڈال دیا ہے۔ اور جو مفرق الجماعت ہوتے
ہیں وہ ملعون ہوتے ہیں۔ علیہ لعنت اللّٰہ والملئکۃ والناس اجمعین
اس لفظ سے میں کانپ گیا اور معلوم ہوا کہ شریف الطبع انسان بھی جوش میں
آکر حد سے نکل جاتا ہے۔ ایک مسجد میں یہ عجیب بات دیکھی کہ ایک بزرگ
میری بہت مذمت کر رہے تھے۔ اور میں بھی وہاں جاکر بیٹھ گیا۔ انہوں
نے مجھ کو دیکھا نہ تھا۔ اور بڑے جوش سے اپنے کام میں مصروف تھے
میں جانتا تھا کہ دنیا میں یہ ہماری بھی کچھ لحاظ داری کرتے ہیں میںنے آہستگی
سے کسی اور شخص سے اور بات کی اور خیال کیا کہ یہ بھی میری آواز سُن
لینگے۔ چنانچہ وہ فوراً میری آواز سُنکر چونک پڑے اور میری طرف مُنہ
کرکے فرمانے لگے کہ "آپ بیٹھے ہیں!؟" اور اسکے بعد انپر ایک سکتہ کا
عالم طاری ہوگیا۔ جس سے مجھ کو افسوس ہوا۔ کہ کس قسم کی یہ مخلوقات ہے +

ایک واقعہ اسی کے قریب یہ ہوا کہ ہمارے شہر میں ایک بہت
بڑے پیر ولایت سے تھے بہت کچھ سمجھا کر اُن سے لوگوں نے یہ اقرار لے
لیا کہ اس قدر مدد دیں گے کہ نورالدین کو شہر سے نکال دیں۔ جب پیر
صاحب آرہے سے بلے کہہ چکے مجھ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ میں دوپہر کے وقت
پیر صاحب کے پاس پہنچا۔ اور وہ ایسا وقت تھا کہ اس وقت پیر صاحب
اکثر تنہا ہی ہوتے تھے۔ میںنے کہا کہ ایک عرض کرنے آیا ہوں جو بہت
ہی مختصر ہے۔ یہ باغ جو آپ کے گھر کے پاس ہے اس باغ کی نسبت
مجھے ایک سوال ہے کہ "آپ تو حجرہ شاہ مقیم کے رہنے والے ہیں اور
وہ یہاں سے بہت دُور ہے۔ یہ باغ آپ کو اس شہر میں کس طرح

حل ہو گیا؟ بس میرا اتنا ہی سوال ہے" پیر صاحب نے فرمایا کہ آپکے دادا نے ہمارے دادا کو دیا تھا۔ مَینے کہا کہ بہر حال آپ کو ہمارے خاندان سے کچھ نفع پُہنچا ہے۔ یہ سُنکر انھوں نے فرمایا کہ میں اور آپ کا بڑا بھائی لاہور میں ایک جگہ رہتے تھے اور ہماری باہم بہت کچھ رسم آمد و رفت تھی۔ مینے کہا کہ مَینے سُنا ہے کہ آپ میرے اس شہر سے نکالنے میں شریک ہیں۔ خیر یہ تو احسان کا بدلہ ہی ہوگا۔ مگر اتنا آپ یاد رکھیں کہ جو لوگ میرے مرید اور معتقد ہیں وہ تو کم سے کم کبھی آپ کو سلام نہ کرینگے۔ یہ کہکر میں چلا آیا اور جلد وہاں سے واپس ہو گیا۔ دن کے آخر حصّہ میں جب علماء اکٹھے ہو کر اُن کے پاس گئے اور میرے اخراج کا فتویٰ پیش کیا تو پیر صاحب نے ہنس کر یہ فرمایا کہ فقر کا دروازہ بڑا ہی اونچا ہے۔ ہندو۔ سکھ۔ مسلمان۔ عیسائی۔ وہابی سب فقر کے سلامی ہیں تب اُن علماء نے عرض کیا کہ آپ نے کل فرمایا تھا کہ میں کل تدبیر بتادونگا اور ہم سے خوب پکّی بات آپکی اس کام کے متعلق ہو چکی تھی۔ پیر صاحب نے کہا کہ ہاں آپ رسولؐ کی گدی کے مالک ہیں۔ اور اس لئے آپکی رعایت کرنی ضروری ہے لیکن فقر کا دروازہ اونچا ہے اور فقر کے سب سلامی ہیں۔ مولویوں نے بڑا ہی زور دیا۔ مگر سلام کے لفظ کو پیر صاحب چھوڑ نہ سکے۔ پھر ان کا آدمی میرے پاس پُہنچا اور کہا کہ پیر صاحب آپ کے مکان کے قریب سے گذرینگے۔ جب وہ قریب آئیں تو آپ باہر نکل کر اُن سے ملیں۔ مَینے خیال رکھا۔ جب مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ قریب ہیں۔ میں مکان سے نکل کر ان سے مِلا۔ وہ ایک گھوڑی پر سوار تھے۔ مگر کوئی آدمی اُن کے آگے پیچھے نہ تھا۔ حالانکہ وہ بڑے ذی وجاہت

آدمی تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ "جوان میں نے وہ کام کر دیا ہے۔ یار اب اپنے مریدوں سے کہدینا کہ وہ ہم کو سلام کر لیا کریں۔" میں نے کہا کہ جب میں نے خود آپ کو سلام کیا ہے تو میرے مرید بھلا کیوں نہ کریں گے؟

بھیرہ میں میں نے ایک طبیب سے مشورہ کیا کہ میں یہاں طب کرنا چاہتا ہوں تو اُس نے کہا کہ تم یہاں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ میں مانگ لینے والا آدمی ہوں۔ پھر بھی مجھے اس شہر میں پانچ روپیہ سے زیادہ آمدنی نہیں اور تم مانگو گے نہیں۔ اور تمہاری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوا کا مُفت دینا تمہاری عادت میں داخل ہوگا۔ اُن سے کسی تقریب میں یہ بات بھی کہہ چکا تھا۔ کہ معاجین شربت اور فصد کا طریق مجھے لمبا نظر آتا ہے۔ انھوں نے کہا یہاں عطار اور جراح مخالفت کرینگے۔ علماء کی مخالفت اس کے علاوہ ہے۔ میں نے توکلاً علے اللہ اپنے ایک طالب علم سے کہا کہ یہ سرمہ بناؤ۔ جست بیس ماشہ۔ سرمہ سیاہ بیس ماشہ۔ زنگار تین ماشہ۔ سفیدہ کاشغری ۴ ماشہ۔ افیون تین ماشہ۔ سمندر جھاگ ۴ ماشہ۔ اور اسی طرح کا ایک اور سرمہ جس میں افیون نہ ہو۔ میں نے عصر کے بعد وضو کرتے وقت ایک شخص کی آنکھ کو غور سے دیکھ کر پہلی قسم کا سرمہ لگا دیا۔ اُس کی دیکھا دیکھی ایک اور نے درخواست کی اس کے بھی لگا دیا۔ یہ ہمارا پہلا اشتہار تھا۔ صبح بہت سے لوگ آئے اور سرمہ ہی طلب کیا۔ ہمارے شہر میں رطوبت کے زیادہ ہونے سے یہ بیماری بکثرت تھی۔ بعض کو نزلی اور بعض کو معدی آشوب تھا اور بعض کے طبقات العین میں۔ اس لئے اطریفل کشنیزی جس میں گل اسطخودوس پڑتا ہے اسکی ہدایت کی۔ بعض کے کان کے پیچھے یا ہڈی یا گردن پر بلسٹر لگا دیا۔ خدا تعالےٰ ہی کے عجائبات

ہیں کہ اس تدبیر نے بڑی کامیابی کا مُنہ دکھلایا۔

عجیب سفر

بھیرہ میں جب میں علاج کرتا تھا تو ایک ایسے مکان میں بیٹھتا تھا جو ایک طبیب کے لئے نہایت ہی مناسب تھا اور اس میں بیٹھ کر عورت اور مرد دونوں کے حالات بے تکلف سُن سکتا تھا۔ میں اپنے والد صاحب کے ارشاد سے بیٹھتا اور علاج کرتا تھا۔ مکان وہ بہت وسیع تھا۔ والد صاحب کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد میرے ایک بھائی صاحب نے جن کے مجھ پر بڑے بڑے احسانات ہیں منجملہ ان احسانات کے یہ کہ انھوں نے مجھ کو پڑھایا پرورش کیا شادی کی۔ اور بھی بڑے بڑے احسان ہیں۔ اور میں ہمیشہ ان کے لئے دُعائیں کرتا ہوں مجھ سے آکر فرمایا کہ یہ مکان میرے روپیہ سے لیا گیا۔ اور میرے ہی روپیہ سے یہ درست کیا گیا۔ تم اس قدر لکھدو۔ میں تو انپر اپنے جان مال سب کو قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ مَیں نے نہایت انشراح قلب سے انکے حسب منشا لکھدیا۔ اور اپنے طالبعلموں سے کہا کہ یہاں سے دوائیں اُٹھا کر فلاں مسجد کے حجرہ میں رکھ دو۔ اور اسی وقت وہ مکان خالی کر دیا۔ روپیہ اس وقت میرے پاس بالکل نہ تھا۔ مَیں نے سمجھا کہ یہ میرے اُستاد بھی ہیں مربّی بھی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انکے دل میں ذرا بھی کدورت پیدا ہو۔ ایک دو روز کے بعد میری والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ اس تحریر کا منشاء یہ نہ تھا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ اس تحریر کا منشاء کچھ اور ہی تھا جس کا اثر تم پر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کچھ اُنھوں نے کسی اصل بات کی طرف اشارہ بھی کرنا چاہا مگر مَیں تو مکان چھوڑ ہی چکا تھا۔

وہاں ایک سرکاری زمین تھی جس کو کمیٹی کی زمین کہتے تھے میں نے اپنے ایک دوست مستری سے کہا کہ تم اس زمین پر مکان بناؤ۔ اور ایک ہندو سے کہا کہ تم روپیہ دے دو۔ مکان بننا شروع ہو گیا وہاں تحصیلدار (جن کا نام منصب دار خاں تھا اور جو راولپنڈی کے علاقہ کے رہنے والے تھے) نے میرے پاس کہلا بھجوایا کہ اوّل تو کوئی مکان بلا اجازت اور بغیر نقشہ منظور کرائے بنانا جائز نہیں پھر یہ کہ سرکاری زمین میں مکان بنانا قانون کے خلاف ہے۔ میں بسبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر ہاں یہ بتائے دیتا ہوں کہ کمیٹی بھی اگرچہ بسبب ادب کے کچھ نہیں کہہ سکی۔ لیکن انھوں نے ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بنا بنایا مکان گرایا جائے گا۔ میرے دوست مستری نے بھی یہی کہا۔ مگر چونکہ میرا دل انشراح صدر سے یہی کہتا تھا کہ مکان ضرور بنے گا۔ اس لئے میں نے کہا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے کمیٹی والوں کی رپورٹ پر کہا کہ ہم بہت جلد وہاں آنے والے ہیں خود ہی آکر موقعہ کا ملاحظہ کرینگے چنانچہ وہ آئے اور بعد ملاحظہ فرمایا۔ کہ جس قدر مکان بن چکا ہے وہ تو ابھی رہنے دو۔ باقی تعمیر کا کام روک دو۔ میں بھی اُس وقت قریب کے مکان میں موجود تھا۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کے تشریف لانے کی خبر سُنکر وہاں گیا۔ تو ڈپٹی کمشنر صاحب وہاں سے چلے گئے تھے۔ اور بہت سے قدم آگے نکل گئے تھے۔ مجھ کو آتا دیکھ کر شائد اُنکے ہمراہی لوگوں میں سے کسی نے کہا ہوگا۔ کہ مکان بنوانے والا آگیا ہے وہ پھر واپس آئے۔ اور انکو واپس ہوتے دیکھ کر میرے دل نے کہا کہ حکم لوٹ گیا۔ جب وہ آگئے تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ سرکاری زمین ہے؟ میں نے

کہا کہ ہاں! مگر سارا شہر ہی سرکاری زمین ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ کس طرح؟ میں نے کہا کہ اگر سرکار کو اس شہر کے مقام پر فوجی میدان بنانا پڑے تو کیا شہر کے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ کہا ہاں نہیں کر سکتے میں نے کہا بس اسی طرح ہر جگہ سرکاری ہی کہلاتی ہے تب انھوں نے کہا کہ آپ کا مکان سرکاری زمین کے کتنے حصہ میں بن سکتا ہے میں نے کہا ایک طرف تو سڑک ہے۔ دوسری طرف بھی شارع عام ہے اسکے درمیان جتنی زمین ہے اس میں مکان بن سکتا ہے۔ فرمایا کہ ابھی مینخیں گاڑ دو۔ چنانچہ مینخیں گاڑ دی گئیں۔ پھر تحصیلدار اور میونسپلٹی کے لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض ہے؟ انھوں نے کہا کہ ان کا مکان تو نافع عام ہوتا ہے۔ ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ اچھا آپ اپنا مکان بنائیں۔ جب وہ چلے گئے تو تحصیلدار نے میرے پاس آکر کہا کہ یہ تو سکھا شاہی فیصلہ ہوا ہے۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب کو خود بھی اختیار اس طرح سرکاری زمین دینے کا نہیں ہے میں نے کہا کہ آپ خاموش رہیں۔ بہت دور جاکر ڈپٹی کمشنر پھر واپس آئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ بدرو ہے آپ کو اسکے سبب سے بہت تکلیف پہنچے گی۔ میں نے کہا میں نے سُنا ہے انگریز بہت عقلمند ہوتے ہیں۔ آپ ہی کوئی تدبیر بتائیں۔ کہا میں نے تدبیر یہ سوچی ہے کہ سرکار کی طرف سے آپ کے مکان کا پُشتہ کمیٹی بنا دے پھر کمیٹی والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ کو کوئی اعتراض ہے انھوں نے کہا نہیں وہ تحصیلدار مجھ سے کہنے لگا کہ یہ ایک ہزار روپیہ اور ہم پر جرمانہ ہوا۔ میں نے اُن سے کہا کہ تم ان باتوں کو کیا سمجھ سکتے ہو۔

اس مکان کے بننے میں بارہ سو روپیہ خرچ ہو گیا۔ تو مجھ کو
خیال آیا کہ کہیں وہ ہندو اپنا روپیہ نہ مانگ بیٹھے۔ میں اسی
خیال میں تھا کہ میرے ایک دوست ملک فتح خاں صاحب
گھوڑے پر سوار میرے پاس آئے اور فرمایا کہ میں راولپنڈی جاتا
ہوں کیونکہ لارڈ لٹن نے دلّی میں دربار کیا ہے بڑے بڑے رئیس
تو دلّی بلائے گئے ہیں اور چھوٹے رئیس راولپنڈی جمع ہوں گے
اور انہی تاریخوں میں راولپنڈی میں دربار ہو گا۔ ہم راولپنڈی
بلائے گئے ہیں۔ مَیں نے اُنکے کان میں چپکے سے کہا کہ مجھ کو بھی دربار
میں جانا ہے انھوں نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے آپ اسپر سوار ہو جائیں
اس وقت جس قدر میرے بیمار تھے وہ وہیں بیٹھے رہے اور مَیں نے
گھر میں بھی اطلاع نہیں کی۔ اسی وقت سوار ہو کر چل دیا۔ فتح خاں اور
ہم دونوں جب جہلم پہنچے تو وہاں ریل تھی۔ ملک فتح خاں مرحوم تو
راولپنڈی چلے گئے۔ مَیں نے کہا۔ مَیں تو دلّی جاتا ہوں میرے کپڑے بہت
میلے ہو گئے تھے۔ اس لئے مَیں نے اپنے کپڑے اُتار کر ملک حاکم خاں
تحصیلدار جہلم کا ایک پاجامہ۔ پگڑی اور کوٹ پہن لیا۔ جسکے نیچے کرتہ
نہ تھا۔ میں سیر کے لئے نکلا اور ٹہلتا ہوا سٹیشن جہلم پر پہنچا۔ مَیں نے
سٹیشن پر کسی سے پوچھا۔ کہ لاہور کا تھرڈ کلاس کا کرایہ کیا ہے
معلوم ہوا کہ پندرہ آنہ۔ اس کوٹ کی جیب میں دیکھا تو صرف پندرہ
آنہ کے پیسے پڑے تھے۔ مَیں نے ٹکٹ لیا اور لاہور پہنچا۔ یہاں بڑی
گھمسان تھی۔ کیونکہ لوگ دربار کے سبب دہلی جا رہے تھے ٹکٹ ملنا
محال تھا اور میری جیب میں تو کوئی پیسہ بھی نہ تھا۔ ایک پادری جنسے

کسی مرض کے متعلق طبّی مشورہ دینے کے سبب میری پہلے سے جان پہچان تھی۔ سٹیشن پر مل گئے۔ اُن کا نام گولک ناتھ تھا۔ انھوں نے کہا آپ کہاں جاتے ہیں ٹکٹ تو بڑی مشکل سے ملے گا۔ مَینے کہا مجھ کو دہلی جانا ہے گولک ناتھ نے کہا مَیں جاتا ہوں اور ٹکٹ کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ گئے۔ اور بہت ہی جلد ایک ٹکٹ دہلی کا لائے مَینے ٹکٹ اُن سے لیا۔ اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو پادری صاحب کہنے لگے آپ میری ہتک نہ کریں۔ معاف کریں۔ مَیں اسکے دام نہ لونگا۔ اور میں بھی تو دہلی ہی جاتا ہوں رستہ میں دیکھا جائے گا" میں رستہ میں ان کو تلاش کرتا رہا وہ نظر نہ آئے۔ اور دہلی کے سٹیشن پر بھی باوجودِ تلاش مجھ کو نہ ملے سٹیشن پر اُترا تو عصر کا وقت تھا۔ میں آہستہ آہستہ اُس سڑک پر چلا جس پر رؤسا کے خیمے نصب تھے۔ میں غالباً پانچ میل نکل گیا۔ اب چونکہ آفتاب غروب ہونے کو تھا۔ مَینے واپسی کا ارادہ کیا۔ اتنے میں ایک سپاہی جو وہ حضرت منشی جمال الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ملازم تھا دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ کو منشی صاحب بلاتے ہیں۔ انھوں نے آپ کو دیکھ کر مجھے بُلانے بھیجا ہے۔ مینے کہا اب تو وقت تنگ ہے۔ میں کل انشاء اللہ تعالیٰ اُن کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اُس نے کہا کہ وہ بہت اصرار سے آپ کو بُلاتے ہیں۔ مَینے پھر بھی کہا کہ کل آؤں گا۔ اس نے کہا پاس ہی تو ان کا خیمہ ہے۔ آپ ذرا تکلیف کر کے خود ہی اُن سے عذر کر لیں۔ جب میں گیا تو وہ حسب عادت بڑی ہی مہربانی سے پیش آئے۔ اور فرمایا کہ میرا ایک نواسہ محمد عمر نام بیمار ہے آپ اس کو دیکھیں۔ مَینے کہا کہ مَیں کل آکر اسکو دیکھونگا

انھوں نے فرمایا کہ آپ آج رات یہیں رہیں کل ہم آپ کے مکان پر چلینگے۔ چنانچہ میرے لئے علیحدہ ایک آرام دہ خیمہ کھڑا کرادیا۔ اور اگلے روز چونکہ جمعہ تھا انھوں نے یہ سمجھ کر کہ مکان پر جانے سے تو اُس کو ہم نے روک لیا ہے راتوں رات ہی کپڑے تیار کرا دیئے۔ جو مینے اگلے روز پہن لئے۔ جمعہ کا وقت آیا تو ہم دونوں جامع مسجد گئے اور نماز پڑھی۔ جس طرف حضرت مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ ہمارے شیخ المشائخ کی قبر ہے اس طرف کی سیڑھیوں سے وہ اُترے وہیں اُنکی بگھیاں کھڑی تھیں مجھ سے کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے۔ اُدھر چلیں میں حیران مجھ کو سامنے ایک تنگ گلی نظر آئی۔ مینے کہا اُدھر ہے فرمایا اس طرف تو ہماری بگھی نہیں جا سکتی۔ اپنے دو آدمی میرے ساتھ کر دیئے اور کہا کہ اسباب لے آؤ۔ میں ان آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے اس گلی میں پہنچا۔ بلا کسی ارادہ کے چلا جاتا تھا کہ ایک مکان نظر پڑا کہ اُس مکان میں بڑی کثرت سے لوگ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں۔ اس مکان میں مخلوق کی اس قدر آمد و رفت دیکھ کر میں بھی بلاتکلف اس مکان میں گھُس گیا جب ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ تو دیکھا کہ نیچے ایک بڑا دالان ہے اور اوپر زینہ کے راستے بالاخانہ پر لوگ جا رہے ہیں مینے ان سپاہیوں کو تو اُسی دالان میں بیٹھا یا۔ اور بلاتکلف سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔ اُس وقت میرے دل میں ذرا وسوسہ نہ آیا کہ یہ کس کا اور کیسا مکان ہے گویا قدرت کا ایک ہاتھ تھا۔ جو مجھ کو پکڑ کر اوپر لے گیا وہاں کثرت سے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی انکی طرف متوجہ ہوا۔ مینے ان لوگوں میں سے صرف عبید اللہ صاحب ساکن بنت مصنّف تحفۃ الہند

کو پہچانا۔ مجھ کو دیکھتے ہی وہ بڑے خوش ہو کر بولے کہ آپ کا آنا تو میرے لئے بڑا ہی مبارک ہؤا ہے میرے ساتھ کچھ نوجوان نومسلم ہیں۔ میں اسی فکر میں تھا۔ کہ ان کو کہاں رکھوں۔ اب آپ جیسا انسان اور کون مل سکتا ہے آپ ان کو اپنے یہاں لے جائیں یقین ہے کہ آپ بڑی مہربانی سے رکھیں گے۔ انھیں نومسلموں میں ہمارے دوست ہدایت اللہ بھی تھے جو بہت کمسن تھے۔ مَیں نے کہا ہاں میں اُنکی خدمت گذاری کو موجود ہوں مجھ کو ابھی اپنے مکان پر واپس جانا ہے آپ میرے ساتھ کر دیں۔ مولوی صاحب نے کہا انکے ساتھ انکے بسترے اور سب ضروری سامان موجود ہے۔ مَیں نے کہا میرے آدمی نیچے بیٹھے ہیں۔ وہ سب اُٹھا کر لے چلینگے ان کو دیدو اِن سپاہیوں سے اسباب اُٹھوا کر ہم بخیر و عافیت منشی صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ وہ بہت ہی خوش اور احسان مند ہوئے۔ اور ہم سب کو اپنی بگھیوں پر سوار کرا کر کیمپ میں لے آئے مَیں نے کہا کہ میں تھوڑے ہی دنوں آپ کے پاس رہ سکتا ہوں اور میاں محمد عمرؓ کے رسولی ہے یہ بہت دنوں کے بعد جائے گی۔ اور مَیں گھر میں اطلاع دیکر بھی نہیں آیا۔ انھوں نے کہا کہ آپ ضرور ٹھہریں اور گھر کے لئے پانسو روپیہ کا نوٹ بھیجدیں۔ میں بہت گھبرایا کہ ہم تو بارہ سو کے مقروض ہو کر نکلے تھے اور یہ تو پانسو ہی دیتے ہیں۔ شائد وہ جگہ نہیں جہاں ہمیں جانا ہے۔ خیر مَیں نے وہ نوٹ تو اُس ہندو کو بھجوا دیا۔ اور گھر میں لکھا کہ آپ مطمئن رہیں تھوڑے ہی دنوں کے بعد منشی صاحب نے سات سو روپیہ اور دیا۔ اور مجھ سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو آپ بھوپال تک چلیں مَیں نے سمجھا کہ میرا قرضہ تو پورا ہو ہی گیا ہے اب

جہاں چاہیں جاسکتے ہیں ؁

بھوپال میں دوسری مرتبہ

چنانچہ منشی صاحب کے ہمراہ بھوپال پہنچا۔ منشی صاحب نے کچھ ماہانہ اپنے پاس سے اور کچھ سرکار سے مقرر کرادیا۔ اور فرمایا کہ لوگوں سے بھی فیس لے لیا کریں۔ غرض وہاں مجھ کو بہت آرام ملا۔ یہ میری دوبارہ بھوپال جانے کی وجہ تھی۔ میں اب تک منشی صاحب کے واسطے بہت دُعائیں دیا کرتا ہوں ؁

بھوپال میں ہمارے ایک مریض محمد عمر منشی جمال الدین کے نواسے تیز طبیعت اور اُس کے ساتھ متمول تھے۔ انھوں نے تیل کی شیشی جس میں جمالگوٹہ کا تیل تھا اُٹھالی اور مجھ سے کہا کہ مَیں پیتا ہوں میَنے کہا کہ یہ خطرناک زہر ہے ایسا نہ ہو کہ ہلاک ہو جاؤ۔ اور ساتھ ہی ہم ہلاک ہوں لیکن انھوں نے ذرا بھی پروا نہ کی اور چند قطرے پی گئے میں بہت ہی گھبرایا مگر وہ پی چکے تھے۔ مینے کہا فَعَلَ مَا قُدِرَ۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کو بڑا ہی اضطراب ہُوا۔ چونکہ وہ جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی بیوی کے بیٹے اور مدارالمہام صاحب کے نواسے تھے۔ بڑی خلقت جمع ہوگئی۔ بہت سے ڈاکٹر اور حکیم آئے مجھے بھی بلوایا۔ اب وہ میاں صاحب یہ بھی نہ کہیں کہ ہم نے یہ چیز پی ہے اور نہ مینے بتایا۔ مَیں کتیرا بیکہ اپنے ساتھ لے گیا۔ مینے کہا۔ یہ معاملہ تو پیچھے ہوگا جب ہوگا۔ اِس وقت اِن کو یہ پلا دیا جائے۔ اُنکی اماں ایسی گھبرائیں۔ جس کا کچھ اندازہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے دھمکی بھی دی اور اسکی دھمکی کی شہرت بھی بہت ہوگئی۔ مَیں اپنے مکان پر مطمئن ہوکر چلا آیا کیونکہ

گینیزرے نے اُن کو بہت فائدہ دیا تھا۔ مَینے دیکھا کہ ایک نوجوان عورت بہت سا سونے کا زیور اور بہت سے کپڑے لائی اور بدوں کچھ کہے گٹھڑی رکھ کر بھاگ گئی۔ مَینے منشی ہدایت اللہ سے کہا کہ دیکھو یہ عورت کہاں سے آئی اور کیسی گٹھڑی لائی جب اس کو کھول کر دیکھا تو وہ قیمتی کپڑوں اور زیوروں سے بھری ہوئی تھی۔ میں بہت گھبرایا۔ کہ ایک معاملہ نوٹے نہیں ہوا یہ دوسرا کیا معاملہ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بوڑھی عورت اتنی ہی چیزیں اور لے کر آئی اور رکھ کر چلی گئی۔ مَینے منشی ہدایت اللہ سے کہا کہ دیکھو تو سہی یہ کہاں کی عورتیں ہیں۔ اور کیا بات ہے وہ اس کے پیچھے گئے معلوم ہؤا کہ حضرت پیر ابو احمد صاحب مجدّدی کے گھر سے آئی تھیں کچھ وقفہ کے بعد حضرت پیر صاحب تشریف لائے۔ اور بہت جھنجلا کر کہا کہ آپ ابھی تک یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں بڑا فساد ہونے والا ہے۔ ہمارے گھر چلو۔ مَینے کہا وہ لڑکا انشاء اللہ تعالیٰ اچھا ہو جائے گا۔ اور کوئی فساد وغیرہ نہ ہو گا۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے کہا کہ یہاں بیٹھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ پھر فرمایا ہمارے گھر والوں نے زیور نہیں بھیجا؟ جس قدر روپیہ ان لوگوں سے لیا ہے سب واپس کر دو۔" تب مجھ کو اس زیور وغیرہ کی حقیقت معلوم ہوئی۔ میں انکی نیکی وسعت حوصلہ شرافت اور خوبیوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا اور اس وقت بھی نہیں کر سکتا۔ دھمکی کے لحاظ سے وقت بڑا خطرناک تھا۔ بہرحال وہ لڑکا خدا کے فضل اچھا ہو گیا۔ اور جو سلوک میرے ساتھ پیر صاحب نے کیا وہ ایسا نہیں جس کا بدلہ میں اُتار سکوں۔ اس کا بدلہ اللہ تعالےٰ ہی اُتاریگا۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ پیر صاحب انکی اولاد اور بیوی کو اپنی جناب سے بہت

بہت اجر عطا فرمائے۔ یہ قصہ اس قصہ کے لگ بھگ ہے جو رامپور میں ایک پٹھان کلن خاں نے عبدالقادر خاں پر تلوار سونت لی تھی۔ اور ذرا بھی عبدالقادر خاں ٹھہرتا تو کلن خاں مار ہی دیتا۔ یا اس قصہ کے لگ بھگ ہے کہ بھیرہ میں ہمارے ساتھ عوام کا فساد تھا اس میں حفظ امن کے لئے طرفین کے عمائد لوگوں کے کچھ مچلکے اور ضمانتیں لئے جانے کا حکم ہوا۔ میرے نام بھی وہ حکم پہنچا تھا۔ اگرچہ میں کسی مقدمہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ سکیسر میں جانا تھا۔ جو بھیرہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے مولوی صاحبان نے یہ تجویز کی کہ راستہ میں ایسے فتوے دیئے جائیں کہ اسے کھانے پینے کی دقتیں پیش آئیں۔ میں نے ایک تیز گھوڑی لی۔ اور ارادہ کیا کہ اگر عصر کے وقت یہاں سے سوار ہوں۔ تو صبح کے وقت سکیسر پہنچ سکتے ہیں ساٹھ کوس بڑی بات نہیں۔ میں اس گھوڑی پر سوار ہو کر چل دیا۔ چھ کوس کے فاصلہ پر چکرم داس ایک گاؤں ہے وہاں میں نے دیکھا کہ بہت سے گاؤں کے آدمی لٹھ لئے ہوئے سڑک پر کھڑے ہیں۔ اُس وقت تمیز نہ ہوئی کہ یہ کون ہیں اور کس غرض سے کھڑے ہیں۔ مگر جب میں بہت ہی قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ ملک فتح خاں معہ اپنے ملازمین کے ہیں۔ سلام علیکم کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کیسے کھڑے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے سُنا تھا کہ آپ کو چھاؤنی جانا ہے اور مجھے بھی چھاؤنی جانا ہے۔ اِس واسطے آپ کا منتظر تھا۔ لیکن ہم لوگ آہستہ آہستہ چلیں گے۔ صبح ہوتے چھاؤنی پہنچ جائیں گے۔ غرضیکہ ایک گاؤں سے نکل کر دوسرے میں دوسرے سے نکل کر تیسرے میں اسی طرح رات بھر چلکر صبح ہوتے شاہ پور کی چھاؤنی میں پہنچے۔ وہاں کے آفیسر

اور منشی اور اہلکار بہت سے لوگ ہمارے ملنے کو آئے۔ ملک صاحب نے دیکھا کہ یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تو مجھ سے کہا کہ مجھ کو خوشاب جانا ہے چھاؤنی میں ہم دن بھر رہے رات کو بھی رہے پھر دوسرے دن بھی رہے بمشکل ہم وہاں سے سوار ہوئے خوشاب چار کوس تھا۔ جب دریا کے پار کنارے پر اُترے تو وہاں کے نائب تحصیلدار صاحب شیخ فضل کریم اور وہاں کے بہت سے عمائد اور احباب ہماری ملاقات کو آئے۔ ملک صاحب نے جب یہ امن دیکھا تو مجھ سے فرمایا کہ مجھ کو سکیسر جانا ہے۔ خوشاب میں بھی دو تین روز لگے۔ وہاں سے جب سوار ہوا تو گل حسین شاہ ایک سید نے دودھ کا بھرا ہوا ایک کٹورا پیش کیا دودھ ان دنوں مجھ کو ہضم نہ ہوتا تھا میں نے عذر کیا۔ انھوں نے بہت افسوس سے کہا کہ اگر کسی شخص کو دودھ ہضم نہ ہوتا ہو اور وہ آپ کے پاس علاج کو آئے تو آپ کیا کرینگے؟ اس بات کے سُننے سے واقعی مجھ کو بھی اپنی حالت پر افسوس آیا اور وہ کٹورا ان کے ہاتھ سے لیکر گھوڑی پر چڑھے ہوئے ہی سارا پی گیا۔ مگر میں یقین کرتا تھا کہ اب یہ ہضم نہ ہوگا۔ اس لئے میں جلدی ہی اُن سے رخصت ہو کر چلدیا۔ سکیسر کے راستہ میں ایک پل آتا ہے جس کے نیچے پانی بہتا ہے۔ وہاں پہنچکر مجھ کو گونہ تکلیف محسوس ہوئی۔ میں اُتر پڑا اور ایک بہت بڑی صفراوی اجابت ہوئی۔ اور طبیعت بالکل صاف ہوگئی۔ سکیسر پہنچے۔ قاضی علی احمد صاحب دیوسودرہ کے باشندے تھے (اور بنی اسرائیل کہلاتے تھے) سررشتہ دار نے ایک آدمی بھیجا کہ آپ کو جو ضرورت ہو کہلا بھیجیں۔ میں خود اس لئے حاضر نہیں ہوا کہ مقدمہ کے متعلق اشتباہ نہ ہو۔ جب میں سر لے کے اندر گیا۔ تو ایک عمدہ چارپائی پر نہایت

عمدہ بستر بچھا ہوا تھا۔ چارپائی خالی تھی۔ اور ملک صاحب ایک چٹائی پر بیٹھے تھے انھوں نے مجھے چارپائی پر بٹھانا چاہا۔ چونکہ وہ میرے مخلص اور عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ مَیں نے کہا کہ یا تو آپ ہی چارپائی پر بیٹھیں یا ہم دونوں بیٹھیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں آپ بیٹھ جائیں مصلحت اسی میں ہے۔ خیر میں اس وقت تو انکی مصلحت کو نہیں سمجھا اور چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی آیا۔ جس کے چہرہ پر بڑا غضب تھا مگر وہ ملک صاحب کو دیکھ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اس ملک کے رواج کے موافق ملک صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ لگانے لگا۔ تو ملک صاحب نے کہا کہ نہیں آپ ہمارے پیر صاحب کے قدم لیں۔ چنانچہ میری طرف بڑھا اور مراسم تعظیم بجا لایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملک صاحب نے اس سے کہا کہ میاں سلطان علی کہاں ہیں۔ یہ میانوالی کے رئیس تھے اس نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور ان کو اطلاع کرتا ہوں چنانچہ میاں سلطان علی صاحب آئے اور ملک صاحب نے ان سے بھی اسی طرح میری طرف جھکنے کو کہا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ گویا میرا بیٹا ہے آپ اس کو کچھ وعظ کریں تھوڑی دیر کے بعد سلطان علی ہاتھ باندھ کر میرے سامنے کھڑے ہو گئے کہ کچھ مجھے ارشاد کرو کیونکہ وہ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے مقدمہ میں آئے ہوئے تھے اور ان کا ارادہ کچھ عظیم الشان تھا مَیں نے کہا کہ آپ چلے جائیں بس یہی ارشاد ہے۔ پیر ابو احمد صاحب کا احسان ہیں اور میری اولاد کبھی نہیں بھول سکتی یہ پیر ابو احمد صاحب رؤف احمد صاحب کے بیٹے تھے۔ ملک صاحب کے ساتھ تو ہمارے تعلقات طبیبانہ بھی تھے مگر پیر صاحب کے ساتھ کوئی اس قسم کا تعلق نہ تھا یہ صرف اُن کا احسان ہی احسان تھا۔

فالاجر من اللہ پیر صاحب نے مجھ سے ایام طالب علمی میں بھی بڑے بڑے نیک سلوک کئے اور بہت بہت امداد طالب علمی میں کی تھی۔ میں ان سب کے بدلہ میں ان کے لئے دُعا کرتا ہوں ۔

بھیرہ بھیرہ میں ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور کہا کہ ایک مسجد ہے اُس میں کنواں کوئی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس میں کنواں بن جائے۔ وہ چونکہ مُلّا تھا۔ اس لئے مجھ کو تعجب ہُوا کہ یہ مُلّا ہو کر ایسی ہمت اور رفاہِ عام کا کام کرتا ہے۔ میں تو اُسکے ہمراہ اُس محلہ میں اُٹھا ہُوا چلا گیا۔ مَیں نے اس محلہ والوں سے کہا کہ میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اس شخص کے دل میں خدا تعالےٰ نے یہ ڈال دیا ہے کہ یہ تمہارے محلّہ میں کنواں بنوانا چاہتا ہے۔ تم کنواں بنوالو۔ کنوئیں کے نہ ہونے سے تم کو پانی دُور سے لانا پڑتا ہے۔ نیز تمہاری جوان عمر بہو بیٹیاں پانی لینے کے لئے بازار میں ہو کر جاتی ہیں یہ خرابی اور تکلیف بھی جاتی رہیگی۔ اس محلّہ کے نمبردار نے نہ تو میری وجاہت کا خیال کیا۔ اور نہ خود دل میں شرمایا بے ساختہ مجھ کو جواب دیا کہ مولوی صاحب! انسان کے جسم میں ایک مقعد ہوتی ہے۔ اُس میں پاخانہ بھرا رہتا ہے۔ اسی طرح ہمارا محلّہ بھی بھیرہ شہر کی مقعد ہے لہٰذا ہر قسم کی گندگیاں ہم میں ہونی چاہئیں۔ اور یہ جو آپ کہتے ہیں کہ ہماری بہو بیٹیاں بازار میں ہو کر جاتی ہیں سو جب ہماری مائیں اور دادیاں بھی بازار میں ہو کر ہی پانی لاتی رہی ہیں تو بہو بیٹیاں ان سے زیادہ معزّز نہیں۔ مَیں وہاں سے چلا آیا۔ مگر مجھ کو یقین تھا کہ خدا تعالےٰ میری اس محنت کو ضائع نہ کرے گا۔ بعد میں مجھ کو معلوم ہُوا کہ مُلّا اُس مسجد کی امامت کا بھوکا تھا۔ اور اسی لئے کنواں بنوانا تھا کہ مسجد

کی امامت مِل جائے۔ چند ہی روز کے بعد میونسپلٹی نے حکم دیا کہ شہر کی گلیاں سب پختہ بنوائی جائیں۔ اس محلہ میں سڑک اِس طرح نکالی گئی کہ اُنکے دروازوں کے سامنے ذرا بھی صحن نہ رہا۔ وہ پنکھے بنانے والوں کا محلہ تھا۔ اُن لوگوں کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اور سڑک سے دوسری طرف کی تمام زمین پر اہلِ ہنود نے قبضہ کر لیا۔ اُس نمبردار سے سب نے کہا کہ اب تو اِس کی ایک ہی سبیل ہو سکتی ہے کہ اگر نورالدین تمہاری مدد کرے تو وہ تم کو زمین دِلا سکتا ہے۔ وہ نمبردار میرے پاس آیا کہ حضرت آئیے اُس کنوئیں کی اینٹ آپ اپنے ہاتھ سے رکھیں۔ مجھ کو بڑی حیرت ہوئی میں نے اس سے کہا کہ صاف بات بتاؤ۔ تم تو کنواں بنوانے کے اِس قدر مخالف تھے یا اب خود مجھ سے درخواست کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ حضور آپ کا فرمان بھلا کہیں بغیر پُورا کئے تھوڑا ہی ہم رہ سکتے ہیں۔ خیر اُس کو تو اُس وقت میں نے رخصت کر دیا۔ اور اُس مُلّا کو بُلوایا۔ اُس نے بتایا کہ اصل بات تو یہ ہے۔ اور اب جب تک آپ کا قدم درمیان نہ ہو نہ کنواں بن سکتا ہے نہ زمین۔ اُن کو ہندو دے سکتے ہیں۔ ہندو میرا بڑا لحاظ کرتے تھے میں نے اُن سے کہا کہ نصف زمین ان کو دے دو۔ کہ یہ کنواں وغیرہ بنوالیں انھوں نے میرے کہنے وغیرہ سے مان لیا۔ کنواں بن گیا اور مُلّا صاحب بھی اس مسجد کے امام بن گئے۔ چونکہ مُلّا صاحب کے ارادہ میں دُنیا کی مُلونی تھی۔ اس لئے اس کام میں اس قدر دیر ہوئی +

طب کے پیشہ میں دو بار مجھ کو اللہ تعالےٰ نے مار مار کر توحید کھلائی اور دونوں واقعوں سے اعتماد علی المخلوق اللہ تعالےٰ نے میرے دل سے بالکل نکال دیا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص کو محرقہ تپ تھی اور وہ ایک

بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ مینے اس کے علاج میں بہت ہی زور لگایا۔ اور
مجھ کو یقین تھا۔ کہ ساتویں دن اسکو بحران ہو جائے گا۔ ساتویں روز کی
رات میں شام ہی سے اس کو خوب اضطراب شروع ہوا اور مینے اسکو
فال نیک سمجھا۔ اس کے گھر والے تو اس علم سے ناواقف تھے۔ انھوں نے
رات ہی کو ایک اور طبیب کو بلایا۔ وہ آخر شب وہاں پہنچا۔ بڑا تجربہ کار
آدمی تھا۔ اس کو یقین ہو گیا کہ مریض کے عوارض تو روبانحطاط ہیں اب
بحران شروع ہونیوالا ہے آتے ہی اپنے پاس سے ایک پڑیہ بہت جلدی
نکال کر وہاں بید مشک رکھا ہوا تھا۔ اسکے ساتھ کھلائی۔ میری طرف دیکھ
کر ہنسا اور ان سے کہا کہ یہ کیا تپ ہے ابھی ہماری پڑیہ سے ٹوٹ جائیگا
کچھ وقفہ کے بعد اُسکو بحران شروع ہوا۔ گھر والوں نے سمجھا کہ اس حکیم
کے پاس اکسیر کی پڑیہ تھی۔ والا نورالدین کو آج چھ روز ہوئے کس قدر
اس نے زور لگایا اور ذرا بھی فائدہ نہ ہوا۔ اور آج کی رات تو بڑی تکلیف
کی تھی۔ اس حکیم نے بھی بحران کے بعد بہت بڑا انعام مانگا۔ مجھ کو یہ انعام ملا
کہ مخلوق پر بھروسہ نہ کرنا! اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ دوسرا واقعہ
یہ ہے۔ کہ میرے ایک دوست تھے۔ جسکی عمر اسّی برس کے قریب تھی۔
میرے ساتھ وہ بڑی ہی محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے مینے ان کو بہت
ترغیب دی کہ آپ شادی کرلیں مگر وہ مضائقہ کرتے تھے۔ میری وجاہت
بھی اُن کے دل پر بڑی تھی آخر مجھ سے کہا کہ مجھے شہوانی تحریک ہوتی ہی
نہیں۔ میرے خیال میں تھا کہ ایک باکرہ نوجوان کے ساتھ شادی کی تو
تحریک ہو جائیگی۔ لیکن ظاہر میں مینے سم الفار۔ پارہ۔ افیون کا مرکب معجون فلاسفہ
کے ساتھ دیا۔ انھوں نے شادی بھی کرلی۔ اللہ تعالے کے عجائبات قدرت

میں سے ہے کہ انکے گھر میں حمل ہو گیا۔ اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ تو بہت ہی خوش ہو گئے۔ چونکہ بہت بڑے امیر تھے۔ میں نے کہا کہ آپ اس لڑکی کو کسی اور کا دودھ پلوائیں لیکن اسکو انہوں نے مانا نہیں۔ بہر حال دوسرے سال پھر حمل ہوا۔ اور لڑکا پیدا ہوا جو اب اللہ تعالےٰ کے فضل سے محمد حیات نام اکسٹرا اسسٹنٹ ہے۔ اور مجھے ہمیشہ چچا ہی لکھا کرتا ہے خدا تعالےٰ اسکی حیات میں بہت برکت دے وہ میرے نہایت پیارے دوست کی یادگار ہے۔ میری طبی آمدنی اس وقت اتنی قلیل تھی کہ ہم میاں بیوی دو آدمیوں کے لئے بھی گونہ مشکلات پڑ جاتے تھے۔ جب اُنکے لڑکا پیدا ہوا۔ تو انھوں نے بعض آدمیوں کو مبارکباد کے لئے میرے پاس روانہ کیا۔ میری حالت تو خود بہت کمزور تھی۔ مگر مجھے کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑا۔ پھر ایک دفعہ میں چھاؤنی شاہپور میں گیا۔ وہاں سے مجھے کچھ روپے مل گئے تھے۔ اس خیال سے کہ انھوں نے مجھے کچھ مالی امداد نہیں دی۔ انکے گاؤں میں چلا گیا وہ اپنے گاؤں کے بہت سے وہ لڑکے جو انکے لڑکے کے قریب پیدا ہوئے تھے جمع کر کے لائے۔ اور سب کو کہا کہ تم سلام کرو مجھ کو اُن لڑکوں کی تعداد اور اپنی جیب کے روپیوں میں کچھ مناسبت معلوم نہ ہوئی تو میں نے جو کچھ میری جیب میں تھا۔ سب اُن کے لڑکے کو دے دیا۔ اس کو انھوں نے فال نیک سمجھا گویا یہ لڑکا امیر ہو گا۔ اور باقی لڑکے اُسکے دست نگر رہیں گے۔ اُسکے ہاتھ سے اُن بچوں کو تقسیم کرا دیا۔ جب میں گھر میں پہنچا تو ایک میرے مکرم دوست اللھم اغفرہ وارحمہ۔ جو میری آسایش کو بہت ضروری سمجھتے تھے حکیم فضل الدین ان کا نام تھا۔ اور قسم قسم کی امدادوں میں وہ لگے رہتے تھے۔ انھوں نے مجھ سے

کہا کہ یہ تو یُوں کچھ دیتے نہیں۔ آپ اس لڑکے کے لئے ایک لباس بنوا کر بھیجدیں۔ وہ لباس بمبئی میں تیار کرایا گیا۔ جیسا وہ قیمتی تھا۔ ویسا ہی وہ عُمر کے لحاظ سے جوان آدمی کے قابل تھا۔ وہ لباس مَیں نے کسی آدمی کی معرفت اُن کو بھیجدیا۔ اس لباس کی وسعتِ مقدار کو دیکھ کر اُس رئیس نے یہ تفاول لیا کہ یہ لڑکا جوان ہو گا۔ اور وہ لباس اُس جوانی کے وقت کے لئے محفوظ رکھا۔ جب وہ آدمی واپس آیا۔ تو مَیں نے حکیم فضل الدین صاحب سے کہا کہ مال کا نام قرآن کریم نے فضل رکھا ہے یہ فضل سے حاصل ہوتا ہے مجھ کو تو یہ فائدہ حاصل ہُوا ہے کہ مَیں مخلوق پر قطعاً اب کبھی بھروسہ نہ کرونگا۔ اور خدا تعالےٰ اب مجھ کو اپنے خاص کارخانہ سے رزق بھیجے گا۔ اور میں آیندہ ارادہ بھی نہ کرونگا۔ کہ کسی کو قیمتاً دوائی دُوں یہ ایک امارت اور دولتمندی کی راہ تھی جو مجھ کو اُس دِن عطا ہوئی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؂

مجھے اُن دنوں تاریخ ابن خلدوں کا شوق تھا۔ کوئی تاجر لایا ستّر روپیہ اُس نے قیمت کہی۔ مَیں نے کہا کہ باقساط تو روپیہ میں دے دُوں گا یک دم میرے پاس نہیں ہے لیکن اس تاجر نے قسطوں کو پسند نہ کیا جب میں ظہر کی نماز کے لئے مطب میں آیا تو وہ کتاب وہاں رکھی دیکھی ہرچند مَیں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون رکھ گیا ہے لیکن کسی نے پتہ نہ بتایا۔ نہ تاجر کا کچھ پتہ چلا۔ کبھی کبھی میں مطب میں ذکر کر دیا کرتا تھا۔ آخر ایک دن ایک بیمار نے کہا کہ یہ کتاب ایک سکھ رکھ گیا تھا۔ جس کو میں صورت سے تو پہچانتا ہوں لیکن نام نہیں جانتا وہ یہاں تحصیل میں آتا جاتا رہتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اس سکھ کو لے آیا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا

کہ یہ کتاب آپ نے کس طرح رکھی۔ اُس نے کہا کہ آپ کی مجلس میں ذکر ہوُا تھا کہ آپ کے پاس روپیہ نہیں لہذا مَیں نے ستر روپیہ دے کر کتاب خرید لی اور یہاں رکھ دی تھی۔ اور یہ ستر روپیہ مَیں نے فلاں امیر سے وصول کر لیا تھا کیونکہ ان کا ہم کو حکم ہے کہ نورالدین کو جب کوئی ضرورت ہُوا کرے بلا ہمارے پُوچھے روپیہ خرچ کر دیا کرو۔ چنانچہ مجھ کو یہ موقع مِل گیا۔ اور مَیں نے اُنکے حکم کے موافق روپیہ خرچ کیا۔" میرے پاس بھی چونکہ ستر روپیہ آ گئے تھے۔ مَیں نے ستر روپے اس امیر کے پاس واپس کر دیئے میرا آدمی دوپہر کے وقت وہاں پہُنچا اور روپے پیش کئے جن کو اُنھوں نے بڑے غضب اور رنج سے لیا۔ اور اُس آدمی کو روٹی بھی نہ کھلائی۔ پھر میرے بڑے بھائی کو بُلایا اور کہا کہ ہم نے نور دین کے لئے جب سوچا تو کوئی حد نذرانہ کی ہم کو نظر نہ آئی اس لئے ہم نے یہ تجویز کیا تھا کہ ہم سارے ہی اُس کے ہیں اور ہم نے اپنے نوکروں کو حکم دے دیا تھا۔ کہ جب اُنکو کوئی ضرورت پیش آئے تو بلا دریغ روپیہ خرچ کر دیا کریں۔ مگر انھوں نے ستر روپیہ واپس بھیجا۔ ہم کو اِس سے بہت رنج ہُوا ہے۔ اب کیا کریں؟ ہمارے بھائی صاحب نے ستر روپیہ تو آپ لے لیا اور اس رئیس سے کہدیا کہ ہم اُسکو سمجھا دیں گے مجھ کو آکر ملامت کی اور بتا دیا کہ وہ ستر روپیہ ہم نے لے لیا ہے۔ گویا یہ ایک رقم تھی جو ہم کو وصول ہوئی۔ توکّل علی اللہ کی خوشی کے مقابلہ میں یہ رقم مجھ کو واپس لینی گوارا ابھی نہ تھی ؛

اِن دنوں ایک بیمار ایسے فالج میں گرفتار ہُوا۔ جس کا فالج پاؤں کے اطراف عصابہ سے شروع ہُوا اور روز مرہ بڑھتا گیا۔ پھر ہاتھ بھی مفلوج ہو گئے۔ اسکے باپ نے میری طرف رجوع کیا۔ طب یُونانی اس مرض سے جہانتک

میرا خیال ہے خاموش ہے قواعد کلیہ سے کام لینا اس وقت میری طاقت سے باہر تھا۔ تیمادار ڈاکٹروں کا منتظم تھا۔ ڈاکٹری مسودہ بھی اس وقت میری سمجھ میں پورا نہ آیا۔ غرض مینے کسٹرائیل۔ کلونجی۔ شہد پلایا۔ اور مسہل کے بعد اس کے فقرات ظہر پر ایک بلسٹر لگا دیا۔ جس سے اس کا سانس ٹھیر گیا۔ پھر اسے کچھ کونین اور فولاد دو تین روز حب فرفیون ہفتہ میں دو بار دینا شروع کیا۔ یہی اصول علاج تھے۔ جو اس وقت کئے اور کامیابی ہوئی۔ ہماری نواح کے گاؤں میں میری طب کا غیر معمولی چرچا پھیل گیا۔ جموں سے ایک شخص جو اس وقت بھی افسر پولس ہیں مدقوق ہو کر علاج کے لئے میرے پاس آئے۔ شہر میں وہ ہمارے پڑوسی تھے۔ ان کا نام لالہ متھرا داس ہے اُنکے علاج میں کامیابی ہوئی۔ اسی اثناء میں دیوان کرپا رام وزیر اعظم جموں کا گذر پنڈدادنخاں میں ہؤا۔ بہر حال دیوان صاحب اور لالہ متھرا داس کے ماموں بخشی صاحب نے سرکار جموں سے میرا ذکر کیا +

اُن دِنوں مجھ کو ایک بیوہ کا پتہ لگا کہ جسکو مختلف اسباب سے میں پسند کرتا تھا۔ مینے اُسکے یہاں نکاح کی تحریک کی۔ وہ عورت تو راضی ہو گئی۔ مگر ملک کا رواج جو بیواؤں کے نکاح کا نہیں ہے اسکے متعلق اُس نے عذر کیا۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ آپ نکاح کر لیں کچھ دنوں کے بعد میرے ولی راضی ہو جائینگے۔ مینے اُن ولیوں کو اس خیال پر کہ وہ بیوہ کے نکاح کو روکتے ہیں معزول سمجھا۔ اور اُس نکاح میں جرأت کر لی۔ قبل اسکے کہ وہ ہمارے گھر میں آئے۔ مینے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا چہرہ زرد ہے زمین پر لیٹے ہیں اور ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے

ہیں ہوشیار ہُوا تو مجھے معلوم ہُوا کہ یہ نکاح سنّت کے خلاف واقع ہُوا ہے تب مَیں نے ایک خط میاں نذیر حسین دہلوی اور ایک خط شیخ محمد حسین بٹالوی کو لکھا اور اس میں لکھ دیا کہ وہ بیوہ بالغ ہے اور ولی نابالغ ہے یہ تو اب مجھ کو یاد نہیں کہ ان دونوں میں سے کس کا خط آیا تھا مگر ایک کا خط آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ایسے ولی معزول ہو جاتے ہیں اور ایسی بیوہ اپنے اختیار سے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ حدیث لا نکاح الّا بولیؐ میں کلام ہے میرے تو مطلب کے مطابق تھا۔ مَیں بڑا خوش ہو کر اُٹھا کہ اب اسکو گھر میں بلالوں۔ بیٹھک کے پھاٹک پر پہنچا تو ایک شخص حدیث کی کتاب لایا اور کہا یہ حدیث سمجھا دو الاثم ما حاک فی صدرک ولوافتاک المفتون اسکے دیکھتے ہی میرا بدن بالکل سُن ہو گیا۔ اور مَیں نے کہا کہ تم لے جاؤ پھر بتا دینگے۔ مَیں نے یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو آگاہ کیا ہے کہ ان مفتیوں کے فتووں کی طرف توجہ نہ کرو۔ مَیں نے وہ پھاٹک بند کر دیا۔ بیٹھک کے اندر دالان میں آیا۔ میرے دل میں یہ بھی خیال آتا تھا۔ کہ اوّل تو حدیث میں کلام ہے دوسرے مفتی نے فتویٰ دے دیا ہے۔ بہر حال دالان میں آتے ہی مجھ پر نوم غیر طبعی طاری ہو گئی۔ مَیں لیٹ گیا۔ تو مَیں نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اس وقت آپکی عمر پچیس برس کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ گویا وہ عمر تھی جب آپ کی شادی ہوئی ہوگی۔ مَیں نے دیکھا کہ بائیں جانب سے آپکی ڈاڑھی خشخشی ہے اور داہنی طرف بال بہت بڑے ہیں۔ اور مَیں حضور میں بیٹھا ہوں مَیں نے دل میں سوچا کہ بال دونوں طرف کے برابر ہوتے تو بہت خوبصورت ہوتے۔ پھر معاً میرے دل میں آیا۔ کہ چونکہ اس حدیث کے

متعلق مجھ کو تامل ہے اس لئے یہ فرق ہے۔ تب مینے اُسی وقت دل میں کہا
کہ اگر سارا جہان بھی اسکو ضعیف کہے گا تب بھی میں اس حدیث کو صحیح سمجھونگا
یہ خیال کرتے ہی مینے دیکھا کہ دونوں طرف ڈاڑھی برابر ہوگئی اور حضرت
صلے اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور مجھ سے کہا کہ کیا کشمیر دیکھنا چاہتا ہے۔
مینے کہا ہاں یارسول اللہ۔ آپ چل پڑے اور میں پیچھے پیچھے تھا۔ بانہال
کے رستے سے ہم کشمیر گئے یہ بھیرہ چھوڑنے اور کشمیر کی ملازمت کی تحریک ہے
اس لئے میں بھیرہ کا اور کوئی حال نہیں لکھواتا ‡

ریاست کشمیر و جموں

جموں ریاست میں پہنچ کر سب سے عجیب
نظارہ یہ دیکھنے میں آیا کہ مینے ایک بالاخانہ
ایسے موقعہ پر کرایہ پر لیا۔ جہاں سے مجھ کو دربار آنے جانے میں سہولت ہو
وہ مکان اصل میں سرکاری اور اُس کا مہتمم ایک بہت ضعیف العمر آدمی تھا
لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ بدعہد ہے۔ آپ سال کے لئے اس سے اسٹامپ
لکھالیں۔ چنانچہ مینے اُس سے اسٹامپ لکھالیا۔ دوسرے تیسرے دن وہ
میرے پاس آیا۔ اور کہا کہ جو کرایہ آپ دیتے ہیں۔ اس سے دوگنا کرایہ دوسرا
آدمی دیتا ہے مینے کہا کہ تم تو ہم کو تحریر دے چکے ہو۔ اس نے کہا کہ میں اپنی
تحریر کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ مینے کہا اچھا ہم ہی دوگنا کرایہ دینگے تھوڑی
دیر کے بعد آیا کہ وہ آدمی چوگنا کرایہ دیتا ہے مینے کہا بہت اچھا ہم چوگنا
کرایہ ہی دیدیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد آیا کہ وہ بارہ گنا کرایہ دیتا ہے۔
اسکی پیرانہ سالی تمام شہر کے سرکاری مکانوں کی افسری اور اس بدعہدی کو
خیال کیا تو مجھے اُس شہر سے نفرت ہوگئی۔ مینے اپنے آدمی سے کہا کہ ہم ایسے
شہر میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ ابھی سب اسباب باندھو۔ اور یہاں سے چلو

چنانچہ میرے آدمیوں نے تمام اسباب باندھ کر نیچے اُتار دیا۔ اور مَیں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اس شہر کو ابھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ جہاں ایسا ضعیف العمر اور تمام سرکاری مکانات کا افسر ایسا بدعہد ہے۔ تمام اسباب نیچے اُتر گیا تھا۔ اور مَیں ابھی اوپر ہی تھا۔ کہ اس طرف سے ایک شخص فتح محمد نام رئیس گذرے اور کھڑے ہو کر دریافت کرنے لگے کہ یہ کس کا اسباب ہے اتنے میں مَیں بھی وہاں آ گیا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ تو ابھی آئے ہیں جاتے کہاں ہیں؟ مَیں نے سختی سے جواب دیا کہ تم لوگ بدعہد ہو۔ بدعہدوں میں رہنا مجھے پسند نہیں۔ وہ اس بھید کو سمجھ گئے۔ کہ افسر نزول ایک بدعہد آدمی ہے اُنکے ساتھ آدمی بہت تھے انھوں نے اپنے آدمیوں سے کہا سب اسباب کو اُٹھا کر ہمارے مکان میں لے جاؤ۔ مَیں نے کہا کہ مجھے اس شہر میں رہنا پسند ہی نہیں لیکن انھوں نے ایک نہ مانی اور سب اسباب اپنے مکان پر بھجوا دیا۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ میرے رکھنے میں آپ کو بڑی تکلیف ہو گی۔ کیونکہ یہاں دو فلاں فلاں آدمی ہیں جن کو مجھ سے نفار ہے اور چونکہ دونوں بڑے آدمی ہیں اور میرے ساتھ خاص طور پر نفار رکھتے ہیں۔ پس مناسب نہیں ہے کہ میرے سبب آپ درباری آدمیوں سے مخالفت پیدا کریں۔ مَیں نے مختلف پہلوؤں سے سمجھایا۔ لیکن وہ یہی کہنے لگے کہ ہم کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے۔ اور دس برس اپنے مکان میں رکھا۔ مجھ کو یا میرے طالب علموں یا میرے مہمانوں کو اس دس برس میں کوئی بھی شکایت کا موقعہ نہ ملا۔ مَیں اب تک انکے وسعت حوصلہ پر حیران ہوں اور مجھ کو افسوس ہوتا ہے کہ مَیں اتنا ذی حوصلہ نہیں۔ اور یہ بات اُن کی ذات ہی سے وابستہ نہیں تھی۔ بلکہ ان کے گھر

کے تمام چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگین دیکھے۔ جب میں وہاں تھا تو مینے ایک شادی اس زمانہ میں کی جب میری بیوی گھر میں آئی تو انکی بہن نے اس کے ساتھ ایسے نیک سلوک کئے جیسے ایک ماں بیٹی سے کرتی ہے +

جموں میں میاں لعل دین نام ایک ممتاز رئیس تھے انکی لڑکی کو زحیر کاذب ہوئی۔ اور اطباء نے قوابض سے کام لیا۔ مریضہ کی حالت بہت ردی ہو گئی۔ میاں لعل دین کو مجھ سے مذہبی رنج تھا۔ ادھر بیمار کی طرف سے یاس۔ کچھ اطباء نے بھی مدد ہی کی ہوگی۔ مجھے علاج کے لئے بلایا۔ ع "عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد" مینے اسکو اس حال میں دیکھا کہ پٹ پڑ (جب چنا اپنے خول میں ہوتا ہے تو اسکو پٹ پڑ کہتے ہیں) کی طرح اس میں غلاظت ہے۔ مجھے یقین ہوا کہ زحیر کاذب ہے اور علاج میں غلطی ہوئی ہے۔ مگر میں خطرناک حالت میں جرأت نہ کر سکا کہ کوئی امر ظاہر کروں اس وقت مجھے طب جدید نے یہ فائدہ دیا کہ موجودہ طبیب جو اس وقت وہاں حاضر تھے۔ سب طب انگریزی سے ناواقف تھے مینے ایک مرکب ایسا بنا دیا جس میں پوڈا فلین تھی اور وہ تشخیص کارگر ہو گئی۔ اگر سو دست تھے تو گیارہ رہ گئے۔ دوسرے دن بھی مینے وہی ترکیب استعمال کی جسپر انھوں نے باوجود کدورت مجھ کو ایک یارقندی یابو مع زین دیا اور خلعت بھی دیا۔ دوسری تقریب یہ ہوئی کہ چنگی کے افسر کو قولنج شدید ہوا اور آدھی رات کے وقت مجھے بلایا۔ مینے یہ سوچ لیا کہ شدت درد کے باعث مسہل مفید نہیں ہوتا۔ اس لئے مینے افیون۔ بکبوج۔ نوشادر کا مرکب اپنے پاس سے دیا۔ جس سے اس کا درد قولنج دور ہو گیا +

دوسری عجیب بات یہ ہوئی کہ وہاں ایک دفعہ شدید ہیضہ پھیلا۔ وہاں کے راجہ باہو نام ایک قلعہ میں تشریف لے گئے۔ اس سبب سے مجھے بھی وہاں جانا پڑا۔ راجہ موتی سنگھ جی بھی تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچکر ان کو ذوسنطاریا (جسے ڈسنٹری کہتے ہیں) کا شدید مرض لاحق ہؤا ساتھ ہی انکو پیچیش بھی تھی۔ اور وہ ہیضہ کے دن تھے۔ اس لئے اُس قلعہ میں انکو میرے طبی مشورہ کی ضرورت پڑی۔ بہت دنوں کی آمدورفت ان کے ساتھ ایک گہرا تعلق پیدا ہوگیا۔ انھوں نے جو رقم بطور شکریہ مجھکو دی تھی وہ سالہا سال برابر دیتے رہے۔ مہاراج کے ساتھ انکے تعلقات میں کسی قدر کدورت تھی۔ اُن دنوں ایک شاہزادہ کی شادی تھی۔ مجھ سے انھوں نے اس کدورت اور شادی کا ذکر کیا۔ مَیں نے ان کو صلاح دی کہ اب شادی کا موقع ہے آپ اس شادی میں ضرور ساتھ چلیں۔ اس میں آپ کے اور انکے تعلقات انشاء اللہ تعالےٰ ضرور صاف ہو جائینگے اس کے سوا اور بھی جو مناسب تھا مشورہ دیا۔ چنانچہ سمت ۳۷ بکرمی میں مصالحت ہو گئی۔ اور وہ اس شاہزادہ کی شادی شریک ہو گئے میں بھی ساتھ تھا۔ پہلی ہی منزل میں ایک ہاتھی میری سواری میں تھا جسپر ایک عماری تھی اور اُس میں دو آدمیوں کے بافراغت بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اس سواری میں ایک اسپرنگ کے صدمہ سے مجھ کو بہت تکلیف ہوئی۔ پھر دوسری منزل میں تو ایسی حالت ہوئی کہ میں سفر کے قابل نہ رہا۔ مَیں نے رات کے دس بجے کے قریب ایک ڈاکٹر کو بُلایا جو بنگالی تھا مَیں نے کہا کہ مجھے ڈر لگتا ہے یہاں کبھی کبھی ناسور ہو جاتا ہے آپ اس کو اچھے ورم چیر دیجیئے۔ اُس نے عذر کیا کہ مَیں سامان اور اوزار سب کچھ ابھی جند گھر چھوڑ

ہوں۔ کہ مبادا صبح کے سفر میں کوئی چیز رہ نہ جائے۔ لیکن جب بیٹے بہت
سختی سے کہا اور چاقو نکالکر دیا کہ اِسی سے چیر دیجئے۔ تو ڈاکٹر نے کہا کہ
کلوروفارم نہیں ہے۔ مَیں نے کہا کہ کلوروفارم کی کوئی ضرورت نہیں اُسکے
دل میں بھی طپش پیدا ہوا۔ اُس نے بڑی سختی سے شگاف دیا۔ مَیں نے کہا کہ زخم
کے دونوں کنارے خوب دبا کر لہو نکال دو اور دونوں لب زخم کے مِلا کر
باندھ دو۔ اُس سے جس قدر سختی ہوسکی کی مجھے قدرتی کلوروفارم یہ مِلا کہ
غشی طاری ہوگئی۔ اور ڈاکٹر نے اپنا کام اچھی طرح کیا۔ صبح کو ڈاکٹر صاحب
سویرے ہی بغیر معائنہ کئے چلدئے۔ مینے آئینہ نیچے رکھ کر دیکھا تو معلوم ہوا
کہ زخم خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گیا ہے۔ لیکن اپنے قوٰی کے گھمنڈ پر
میں ایک گھوڑی پر سوار ہوگیا۔ اگرچہ میں نے بڑی احتیاط کی اور زین کے ایک
طرف رہا۔ لیکن چار میل پہنچکر مجھ میں یہ طاقت نہ رہی کہ میں اس سواری پر
رہ سکوں۔ چنانچہ میں اُتر گیا۔ باریک سی شرک کی بُو مجھ میں تھی کہ آخر
مہتمان کیمپ یہاں سے گذریں گے۔ وہ ضرور ہمدردی کرینگے۔ تھوڑی ہی
دیر ہوئی تھی کہ ولیعہد صاحب آئے انھوں نے کہا کیوں اتر پڑے؟ مینے کہا
کہ مَیں سواری نہیں کر سکتا میری طبیعت اچھی نہیں۔ ولیعہد صاحب یہ کہہ کر
کہ اچھا کیمپ میں آؤ وہاں بندوبست ہو جائے گا۔ اور سرپٹ گھوڑا دوڑا
کر چلے گئے۔ مینے کہا کہ ایک بُت تو ٹوٹ گیا۔ لیکن نفس امارہ نے پھر بھی یہ سمجھا
کہ اس کے دوسرے بھائی آئینگے۔ چونکہ وہ میرا ہی علاج کرتے تھے۔ اور مجھ
سے اُن کا بہت تعلق تھا وہ آئے اور بڑی ہمدردی سے کھڑے ہوگئے۔ مَیں نے
کہا کہ میں سوار نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے کہا کہ آپ کیمپ میں پہنچیے اور سرپٹ
گھوڑا دوڑا کر چلدیئے۔ پھر ان کے تیسرے بھائی آئے اور وہ بھی بدستور دیا فت

کر کے چل دیئے۔ پھر راجہ صاحب آئے انھوں نے بڑی محبت سے میرا حال دریافت کیا اور کہا کہ آپ سوار ہو جائیں مَیں نے کہا کہ میں گھوڑے کی سواری نہیں کر سکتا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہاں سے دو تین میل کے فاصلہ پر کیمپ ہے۔ آپ وہاں پہنچیں سب بندوبست ہو جائے گا۔ یہ فرما کر وہ بھی روانہ ہو گئے۔ پھر کیمپ کے مہتمم صاحب جو وہی ایک سب سے پیچھے تھے۔ آئے اور انھوں نے بھی سابق رؤساء کی طرح کام لیا۔ اب میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی طرف متوجہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا جو دوسرے پر امید رکھتا ہے بڑی غلطی کرتا ہے۔ اب میری اُمیدگاہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ اتنے میں دیوان لچھمی داس نام جو اُن دِنوں فوجی افسر تھے گذرے انھوں نے جب مجھے دیکھا تو معاً اُتر پڑے اور کہا کیا تکلیف ہے؟ مَیں نے کہا کہ میرے ایک پھُنسی ہے اس لئے میں سوار نہیں ہو سکتا۔ آپ تشریف لے چلیں۔ لیکن انھوں نے کہا کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہاں اِس حالت میں چھوڑ کر ہم آگے چلیں جائیں۔ غرضیکہ وہ اُتر کر میرے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اور باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں اُنکی پالکی آئی۔ انھوں نے میرے پاس سے اُٹھ کر اپنے آدمی کو علیحدہ لے جا کر کچھ حکم دیا۔ اور اُسکے بعد خود گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گئے۔ اُن کا آدمی پالکی لے کر میرے پاس آیا اور کہا کہ آپ پالکی میں سوار ہو جائیں۔ اور یہ پالکی جموں واپس ہونے تک آپ کے ساتھ رہے گی۔ مَیں نے اس کو خدا تعالےٰ کا فضل سمجھا۔ اور سوار ہو گیا۔ اس میں خوب آرام کا بستر بچھا ہوا تھا۔ مَیں اس میں لیٹ گیا۔ اور شکریہ میں قرآن شریف کی تلاوت شروع کی۔ وہ ایک مہینہ کا سفر تھا۔ میں الحمدللہ جلدی ہی اچھا ہو گیا اور میں نے پالکی کو رخصت کرنا چاہا۔ لیکن برداروں اور

ان کے ہمراہی افسر نے کہا کہ ہم کو دیوان جی کا حکم ہے کہ جب تک آپ جموں واپس نہ پہنچیں ہم آپ کی خدمت میں رہیں۔ مَینے اس مہینہ میں چودہ پارے قرآن شریف کے یاد کر لئے۔ جب ہم جموں واپس پہنچے تو مَینے پالکی برداروں اور انکے افسر کو انعام دینا چاہا۔ لیکن انھوں نے کہا کہ ہم انعام لے چکے ہیں۔ ہم کو اسی دن دیوان جی نے انعام اور خرچ کے لئے کافی روپیہ دیدیا تھا۔ اور اُن کا حکم ہے کہ آپ سے کچھ نہ لیں۔ مَینے اس افسر کو بہت سمجھایا کہ اُن کو اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر اُس نے تو اور اپنے پاس سے کسی قدر روپیہ نکالکر میرے سامنے رکھ دیا۔ اور کہا کہ جو روپیہ انھوں نے خرچ کے واسطے دیا تھا وہ بھی سب خرچ نہیں ہوا۔ اور اب ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ انکو واپس دیں۔ چنانچہ اُس نے وہ روپیہ واپس نہ لیا۔ اور مَینے خدا تعالیٰ کا فضل یقین کر کے وہ روپیہ لے لیا۔ پھر اس کے بعد دیوان لچھمی داس نے میرے ساتھ اس قدر نیکیاں کیں۔ کہ اُن کے بیان کرنے کے لئے بڑے وقت کی ضرورت ہے +

ایک دفعہ وہ وزیر اعظم ہو گئے۔ اُنکو پشتو بولنے کا بڑا شوق تھا۔ اور ہمیشہ اپنی اردل میں پشتو بولنے والے ہی رکھتے تھے۔ وزیر اعظم ہو کر انھوں نے اپنے یہاں ایسے پشتو بولنے والوں کو مقرر کیا۔ جو کوئی دوسری زبان نہیں جانتے تھے۔ اور حکم دیا کہ پرائیویٹ ملاقات کیلئے کوئی ہمارے مکان پر نہ آئے۔ مَینے ایک روز شیخ فتح محمد صاحب سے کہا کہ آپ وزیر صاحب کے پاس جائیں۔ اور ضرور ملاقات کریں انھوں نے کہا کہ وہاں تو پشتون لوگ ہیں جو کسی کی سُنتے ہی نہیں ٹھوکر مار مار کر لوگوں کو نکال دیتے ہیں اور بڑے بڑے لوگ وہاں جاکر ذلیل

ہو چکے ہیں۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ مَینے کہا میں دیوان جی کو ابھی ایک خط لکھتا ہوں۔ شیخ صاحب نے کہا آپ خط ہرگز نہ لکھیں لیکن مَینے انکی بات کو ہرگز نہ مانا۔ اور اسی وقت خط لکھا کہ یہاں کے لوگ ملاقاتوں کے عادی ہیں مَینے سُنا ہے آپ نے خطرناک پہرہ بٹھایا ہے۔ مہربانی کر کے ایک وسیع کمرہ جس میں ایرانی قالین بچھا ہُوا ہو ملاقات کے لئے مقرر فرمائیں کر لوگ وہاں جاکر بیٹھ سکیں۔ باقی جب آپ کا جی چاہے اس کمرہ میں ملاقات کے لئے آئیں۔ اور جس سے چاہیں ملاقات کریں جس سے چاہیں نہ کریں۔ مگر پشتونوں سے شریف آدمیوں کو دھکے دلوانا آپکی شان کے خلاف ہے۔ یہ خط اسی وقت ڈاک میں ڈالا۔ اور ڈاک والے نے فوراً وہاں پہنچایا۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ ان کا حقیقی بہنوئی جو اُن کا پرائیویٹ سکرٹری بھی تھا۔ لالٹین لئے ہوئے خود ہی ہمارے پاس پہنچا۔ اور کہا کہ آپ کا ایک خط دیوان صاحب نے پڑھا ہے۔ اور آپ کو بُلایا ہے۔ شیخ فتح محمد صاحب نے منع کیا اور کہا کہ اسوقت نہ جاؤ لیکن میں چلا گیا۔ اور اس وقت وہاں کوئی پہرہ نظر نہ آیا دیوان صاحب نے فرمایا کہ دیکھو کہیں پہرہ کا پتہ نہیں مَینے اسی وقت موقوف کردیا ہے۔ اور فلاں کمرہ کو دیکھو اُس میں ایرانی قالین بچھا ہُوا ہے۔ اور وہ شرفاء کی ملاقات کے لئے مخصوص کر دیا ہے مَینے اُن کا بہت شکریہ ادا کیا جس کا انہوں نے ان لفظوں میں مجھ کو جواب دیا کہ ریاست میں اس طرح صفائی سے کہنے والا انسان بھی ضروری ہے۔ اور اسلئے مَیں آپکی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اب میں کسی کو نہ روکوں گا۔ اور آپ کیلئے تو کوئی وقت مقرر نہیں۔ آپ جس وقت چاہیں بلاتکلف تشریف لائیں؛

میں جب حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپکی مریدی میں کیا مجاہدہ کرنا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ کی محبت میں ترقی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں یہ مجاہدہ بتاتا ہوں کہ آپ عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک کتاب لکھیں مجھ کو عیسائی مذہب سے واقفیت نہ تھی کہ کیا کیا اعتراض ہوتے ہیں پھر یہ کہ میں اپنے آپ کو کبھی فرصت میں نہیں رکھتا۔ اور اس کام کے لئے فراغت و فرصت کی بھی ضرورت تھی۔ جموں میں تو مجھ کو فرصت بہت ہی کم تھی۔ جب میں قادیان سے یہ حکم لے کر اپنے وطن میں پہنچا تو وہاں میرا ایک ہم مکتب حافظِ قرآن مسجد کا پیش امام تھا۔ وہ میرے سامنے تقدیر کا مسئلہ لے بیٹھا۔ اور اس نے اس مسئلہ کے پیش کرنے میں بڑی شوخی سے گفتگو کی۔ میں حیران اس کے مُنہ کو دیکھتا رہا کہ فرفر بولتا تھا۔ حالانکہ مسجد کے ملاں میں اس قدر شوخی نہیں ہوتی۔ جب لوگ چلے گئے تو میں نے اسکو اپنے پاس بُلا کر کہا کہ حافظ صاحب مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ عیسائی ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ عیسائی ہو گئے ہیں۔ تو حرج ہی کیا ہے؟ میں نے کہا اپنے گوروسے ذرا مجھ کو بھی ملاؤ۔ چنانچہ وہ مجھ کو پنڈ دادنخاں لے گیا دریا سے اُترے تو ایک گاؤں کے نمبردار نے کہا تمہاری دعوت ہے۔ میں نے کہا شہر سے واپس آکر دعوت کھائیں گے۔ چنانچہ میں اور حافظ صاحب دونوں ایک انگریز کی کوٹھی میں جا دھمکے حافظ صاحب تو پہلے سے واقف ہی تھے۔ پادری صاحب ملاقات کے کمرہ میں تشریف لائے۔ میں نے کہا کہ پادری صاحب میرے آنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمارے ہم مکتب آپ کے مرید ہو گئے ہیں آپ ہم کو بھی کچھ سنائیں۔ مطلب میرا یہ تھا کہ انکے مذہب کا

پتہ لگے۔ اگر وہ اُس وقت اعتراض پیش کرتا تو کوئی ایک وہی اعتراض، کرتا کیونکہ مینے پادری صاحب سے یہ بھی کہدیا تھا کہ لمبی بحث نہ کریں اپنے مذہب کا خلاصہ ہمارے مذہب کا خلاصہ اور صرف ایک اعتراض بطور خلاصہ پیش کریں۔ مگر پادری صاحب کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ میری بات کو ٹال کر ہمارے لئے چاء بسکٹ کا اہتمام کرنے لگے۔ مینے کہا کہ میں شہر میں چار برس ہیڈ ماسٹر رہ چکا ہوں اور یہاں میری کافی واقفیت ہے ہم کو چاء وغیرہ کی ضرورت نہیں آپ ہم سے گفتگو کریں۔ مینے حافظ صاحب سے بھی کہا کہ تم اس کو اُکساؤ۔ چنانچہ حافظ صاحب اُس کو علیحدہ لے گئے اور بہت دیر تک باتیں کرکے واپس آئے۔ اور کہا کہ مینے بہت زور لگایا۔ مگر یہ تو آگے چلتا ہی نہیں یہ کہتا ہے کہ میں اُن سے زبانی گفتگو نہ کروں گا۔ ہاں بعد میں اعتراضات لکھ کر بھجوا دوں گا۔ مینے حافظ صاحب سے کہا کہ جب تک ان کے اعتراضات ہمارے پاس پہنچیں اور ہماری طرف سے جواب نہ ہولے۔ اُسوقت تک بپتسمہ نہ لیں۔ حافظ صاحب نے کہا ہاں یہ تو ضرور ہوگا۔ مینے پادری صاحب سے بھی کہدیا کہ یہ ایسا کہتے ہیں انہوں نے کہا یہ مناسب ہے۔ پھر مینے حافظ سے کہا کہ بتاؤ اور کون ہے جو مثل تمہارے ہوا انہوں نے کہا کہ ایک اسٹیشن ماسٹر ہے چنانچہ ہم اسٹیشن پر آئے۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب نے تو بڑی دلیری سے کہا مذہب عیسائی کا مقابلہ تو کسی مذہب سے ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے حافظ صاحب سے کہا کہ یہ تو پھنس گئے۔ جب اسٹیشن ماسٹر نے حافظ صاحب سے سُنا کہ پادری صاحب خاموش ہوگئے تو وہ حیران ہوگیا

آخر اُس پادری نے ایک بڑا طومار اعتراضوں کا لکھ کر بھیجا۔ مَیں نے حافظ صاحب سے کہا کہ بتاؤ یہ کوئی ایک دن کا کام ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ مَیں نے کہا تم ہی مدّت مقرر کرو۔ حافظ صاحب نے کہا کہ ایک برس تک کتاب چھپ کر ہمارے پاس پہنچ جائے۔ میں جموں آیا۔ اس زمانہ میں زلزلے بہت آئے تھے۔ راجہ پونچھ کا بیٹا زلزلوں کے سبب پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے جموں کے راجہ کو لکھا کہ ہم کو ایک اعلیٰ درجہ کے طبیب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میں وہاں گیا مجھ کو شہر سے باہر ایک تنہا مکان دیا گیا۔ پس ایک مریض کا دیکھنا اور تمام دن تنہائی میں رہنا وہاں بائبل اور قرآن شریف پڑھنے لگا۔ اُن تمام اعتراضوں کو پیشِ نظر رکھ کر بائبل پر نشان کرتا۔ پھر اس کے بعد قرآن شریف پڑھا اور نشان کرتا رہا۔ اس کے بعد کتاب لکھنی شروع کی اور چار جلد کی ایک کتاب (فصل الخطاب) لکھی۔ ادھر کتاب طیار ہوئی ادھر راجہ کا لڑکا اچھا ہُوا۔ اب روپیہ کی فکر تھی کہ کتاب چھپے۔ راجہ پونچھ نے کئی ہزار روپیہ دیا۔ جب جموں آیا تو راجہ صاحب جموں نے پُوچھا کیا دیا۔ مَیں نے وہ تمام روپیہ آگے رکھ دیا۔ وہ بہت ناراض ہوئے کہ بہت تھوڑا روپیہ دیا۔ چنانچہ اُسی وقت حکم دیا کہ ان کو سال بھر کی تنخواہ اور انعام ہماری سرکار سے ملے میں نے وہ روپیہ اور دو جلدیں دِلّی بھیجدیں وہاں سے چھپکر آئیں تو حافظ صاحب اور مثل ان کے دوسرے لوگوں کو بھیجدیں۔ اُنہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم سچے مسلمان ہو گئے۔ باقی کی ضرورت نہیں ؛

چونکہ پونچھ کے راجہ سے مجھے پہلے ہی بڑا تعلق تھا۔ اور اب اُس کے لڑکے کے علاج سے جس میں مجھ کو بڑی کامیابی ہوئی۔ راجہ اور اُس کے

ولیعہد سے بہت تعلق بڑھ گیا تھا ایک دفعہ راجہ پونچھ جموں میں تشریف
لائے اور علیل ہو گئے مجھے بُلا بھیجا۔ مَیں نے دیکھ کر کوئی علاج کا انتظام
کر دیا جب میں انکے مکان سے باہر نکلا رستہ میں انکے سپاہیوں کے
مکانات تھے ان میں سے ایک شخص نے مجھ سے آ کر کہا کہ فلاں خدمتگار
آپ کو بُلاتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ اس خدمت گار کا گھر ایسے موقعہ پر ہے۔ کہ
جب وہ گھر جائے گا تو میرے مکان کے پاس سے ہی گذرے گا۔ وہ
وہاں آجائے تو ہم دوائی دیدینگے۔ لیکن اس خدمت گار نے جیساکہ
بعد میں معلوم ہؤا کسی آدمی سے کہا کہ نورالدین تو بہت متکبّر ہو گیا ہے
اب ہم اس کو اپنے راجہ کے پاس نہیں آنے دینگے۔ میری عادت تھی
کہ میں کسی امیر کے گھر بدوں اسکے بُلائے نہ جاتا تھا۔ دوسرے دن
راجہ صاحب کا کوئی آدمی نہ آیا اور میں بھی اپنی عادت کے موافق نہ گیا
کئی مہینے اسی طرح گذر گئے۔ ایک دن میں اپنے مکان کے دروازے
پر کھڑا تھا کہ وہ خدمت گار کسی اور طبیب کو ہمراہ لئے جا رہا تھا۔ ہمارے
پڑوس میں چند معزز میاں صاحب رہتے تھے۔ وہ بہت ہی ہنسے اور
میری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آج اسکی محنت ٹھکانے لگی۔ مَیں نے دریافت کیا
کہ آپ کیوں ہنستے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مدّت سے یہ اس طبیب کو اس
طرف سے اس لئے لے جایا کرتا تھا۔ کہ آپکو دِکھلائے کہ ہم نے اور طبیب
رکھ لیا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد مہاراج کشمیر لاہور کو تشریف لے
گئے۔ میں بھی ہمراہ تھا اور قدرت الٰہی سے وہ دوسرا طبیب جو وہ بھی
مہاراج کشمیر کا ملازم تھا۔ لاہور میں ساتھ نہ آسکا۔ راجہ پونچھ بھی جو بدستور
بیمار تھے ہمراہ تھے۔ کیمپ میں چونکہ میں ایک ہی طبیب تھا۔ اس لئے

مجھے عین دوپہر کے وقت راجہ پونچھ نے بُلوایا۔ اُسوقت وہ تنہائی میں تھے اور طبیعت بہت مضمحل تھی۔ مجھ سے فرمایا کہ سرکار نے (ہم نے) اس سال کا مقرری روپیہ آپ کو نہیں دیا۔ اسلئے ہم دو سال کا روپیہ آپ کو بھیج دینگے۔ اور آپ کوئی دوائی بتائیں۔ مینے کہا کہ آپ نے دوپہر کے وقت اسلئے بُلایا ہے کہ آپ کا وہ خدمت گار جس کے بُلانے سے میں اس کے پاس نہیں گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ہم اپنے راجہ کے پاس نہ آنے دینگے یہ دوپہر کا وقت اسکی حاضری کا وقت نہیں ہے۔ چونکہ آپ اُس کے رُعب میں آئے ہوئے ہیں۔ لہذا خطرہ ہے کہ اگر میں آپ کا علاج شروع کروں اور اس کو پتہ لگ جائے تو آپ کو کوئی ضرر پہنچے۔ اور چوری کا علاج مجھے پسند بھی نہیں ہے تب انہوں نے کہا کہ ہم تو ان لوگوں سے ڈرتے ہی رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ کمینے زہر بھی دیدیتے۔ خیر لاہور سے ہم بہت جلد واپس آگئے۔ اور وہاں مینے سُنا کہ راجہ صاحب دن بدن مضمحل ہوتے جاتے ہیں۔ آخر ایک دن اُن کا انتقال ہوگیا۔ لیکن ابھی اس خدمت گار کا گونہ عروج مصلحتًا باقی تھا۔ اور میرا تعلق اُن دنوں ایک ایسے شہزادے سے تھا جس کے ساتھ ولیعہد پونچھ کو کسی قدر تکدر تھا۔ میرے ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ آپ پر ایک مقدمہ ہونے والا ہے اور اس کا باعث اس شہزادہ کا تعلق ہے۔ ولیعہد پونچھ کا منشاء ہے کہ آپ پر یہ مقدمہ بنایا جائے کہ ان کا والد آپ کے علاج کی کسی غلطی سے فوت ہوا ہے اور اس علاج میں ایک زہر بھی ہے مجھے بہت ہی ہنسی آئی کہ اہل دُنیا کے تعلق کیا! اور انکی خدمتیں کیا!

اور انکے معاہدات کیا! ؟ مَیں نے کسی موقعہ پر اس شہزادہ سے ذکر
کیا تو اُس نے کہا افسوس آپ کو خبر ہو گئی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ
بات زیادہ کھل گئی ہے۔ میرا بھی منشاء تھا کہ یہ نالش کرے تو پھر ہم
اس کا سارا قرضہ مع سود کے اُدا کر دینگے۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ لوگ
بہت ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں یہ کمبخت خدمت گاروں کے ماتحت
بڑی مجبوری سے کام کرتے ہیں۔ اور قابل رحم گروہ ہے۔ تب مجھے یاد
آیا کہ جن دنوں میں اس کا علاج کرتا تھا۔ مَیں نے اس سے کہا کہ آپ
مقدمات سُنا کریں اور انکے فیصلوں میں لگے رہا کریں اس طرح آپکو
ایک اچھا موقعہ آرام کا ملجائے گا۔ میرے کہنے سے وہ صرف عرضیاں
سُن لیتا تھا۔ ایک دفعہ عرضیاں سُنانے والے نے عرضی سُناتے سُناتے
اسکے چہرہ کو بہت غور کے ساتھ دیکھا اور عرضی کو بہت فحش گالی کے
ساتھ زمین پر پھینک دیا اور لگا اسکی نبض دیکھنے۔ چونکہ بارُعب آدمی
تھا۔ اُس نے جب سب لوگوں سے جو وہاں بیٹھے تھے۔ کہا کہ دیکھو ہماری
سرکار کی طبیعت مضمحل ہوئی جاتی ہے تو سب نے اسکی ہاں میں ہاں ملادی۔
اور ساتھ ہی اس نے یہ نسخہ بتا دیا کہ تم لوگ بڑے شریر ہو۔ حضور
کے یہاں عرضیاں نہ دیا کرو۔ اس سے سرکار کو تکلیف ہوتی ہے۔ دیکھو
اسوقت کیسی خراب حالت ہو گئی ہے۔ پھر کیوڑہ اور بید مشک منگایا
اور میرے پاس سوار دوڑایا۔ اس سوار نے میرے پاس پہنچکر بڑی
خطرناک حالت بیان کی اور یہ بھی کہا کہ مَیں نہیں جانتا کہ آپ کے
پہنچنے تک زندہ رہیں یا نہیں۔ میرا مکان فاصلہ پر تھا میں سرپٹ گھوڑا
دوڑا کر پہنچا۔ تو وہ مکان سے اُتر رہے تھے۔ سیڑھیوں پر ہی ملاقات

ہوئی۔ وہیں میں نے نبض دیکھی۔ مجھ سے کہا مولوی صاحب آپ تو
دُور رہتے ہیں کہیں قریب آجائیں تو اچھا ہے۔ اب بھی یہ سب
لوگ کہتے ہیں کہ میری بہت ہی خراب حالت ہوگئی تھی۔ مگر میں نے
کیوڑہ اور بید مشک پیا تو اب یہ سب کہتے ہیں کہ ذرا طبیعت
ٹھیک ہوگئی ہے۔ میں نے کہا کہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ کہا کہ
اس وقت تو میں شکار کے لئے جاتا ہوں۔ میں نے کہا میں بھی چلتا ہوں
چنانچہ ہم شکار کے لئے روانہ ہوگئے۔ خوب فاصلہ پر شکار تھا۔ وہاں
پہنچکر ایک موقعہ پر میں نے دریافت کیا کہ آپ کو خود بھی کچھ معلوم ہوا تھا
کہ طبیعت خراب ہے۔ کہا مجھ کو تو معلوم نہیں ہوا مگر لوگ کہتے تھے کہ
تمہاری طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔ میں نے دو آدمیوں سے جو پاس
تھے پوچھا انہوں نے کہا۔ کہ ہم کو تو کوئی بات معلوم ہوئی نہیں مگر
جو عرضیاں سُنایا کرتے ہیں انہوں نے کہا تھا ہم نے بھی ہاں میں ہاں
ملادی تھی۔ تب میں سمجھا کہ یہ ملاں جی کے شاگردوں والا معاملہ معلوم
ہوتا ہے۔ بہرحال وہاں ایک ریچھ ملا وہ بھاگا اُسکے پیچھے دوڑے
میں تو چند قدم پر رہ گیا۔ مگر ہمارے مریض صاحب جس طرح ہرن
دوڑتا ہے اُسکے متعاقب پہاڑ پر چڑھ گئے۔ جب میں واپس آیا تو
اُنکے چچیرے اور معتمد شخص جن کو وہ وزیر کے لفظ سے پکارا کرتے
تھے میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ آپ یہاں علاج کرنے آئے ہیں
یا ہمارے ولیعہد کو حکومت سکھلانے آئے ہیں۔ آپ صرف دوا
وغیرہ بتلادیا کریں اور حکومت کرنی نہ سکھائیں ورنہ آپ کو بڑی
تکلیف اُٹھانی پڑیگی یہ لوگ اگر ایسے ہوجائیں جیسا آپ چاہتے

ہیں تو ہم لوگ روٹی کہاں سے کھائیں خیر میں اصلیت کو پہنچ گیا
خدا ئیتعالےٰ ہمارے ملک کے رئیسوں پر رحم کرے اور انکو ہدایت
کرے ؛

مہاراج کشمیر مجھ سے بہت ہی بمدارات پیش آتے تھے۔ بعض
وقت میں خود بھی تعجب کیا کرتا تھا۔ ایک دن مجھ سے تنہائی میں کہا کہ
جانتے ہو میں تم سے ڈرتا ہوں۔ مینے کہا کہ آپ تو بادشاہ ہیں اور
میں ایک غریب آدمی ہوں ڈرنا کیا معنی ؟ کہا میں تم سے بہت ڈرتا
ہوں۔ اور بعض اوقات میں ایسی چشم پوشی کرتا ہوں کہ میری طبیعت
کے وہ بالکل خلاف ہوتی ہے۔ آج میں تمہیں اسکی وجہ بتاتا ہوں وہ
وجہ یہ ہے۔ کہ سلطان محمود غزنوی کوئی ذلیل آدمی نہ تھا۔ وہ ایک
شاہی خاندان کا شہزادہ تھا۔ اور ایسی سلطنت جیسی کہ محمود کی تھی
ایک کمینہ انسان کو کبھی میسر نہیں ہو سکتی میں محمود حسب اور نسب
کو خوب جانتا ہوں۔ وہ شاہانِ ایران کی نسل سے تھا۔ مگر نیک نامی
کا جینا اور بدنامی کا مرنا دونوں کیسے عجیب ہیں کہ مُلّا فردوسی نے
دو شعر کہہ کر کہ ؎

اگر مادرِ شاہ بانو بُدے   مرا سیم و زر تا بزانو بُدے
اگر شاہ را شاہ بودے پدر   بسر بر نہادے مرا تاج زر

ایک ایسا خطرناک ٹیکا لگایا ہے کہ ہم بادشاہوں کی مجلسوں میں
اُس کا ذکر آتا ہے اس لئے میں مصنف لوگوں سے بہت ڈرتا ہوں
تمہارا ابھی میں اسی لئے زیادہ خیال کرتا ہوں ؛

ان رؤسا میں بہتیرے وجود بڑے نیک اور مخلوق الٰہی کے واسطے

بہت مفید ہوتے ہیں اور بعض اُسکے خلاف۔ اس قسم کی باتوں کو صرف اس وجہ سے بیان کرنا مناسب سمجھا گیا ہے کہ شاید کسی کو نفع پہنچے۔

کشمیر میں ایک مولوی عبدالقدوس رہتے تھے۔ وہ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ اور میرے پیر بھائی بھی تھے۔ کیونکہ وہ شاہ جی عبدالغنی صاحب کے مرید تھے۔ اور میں بھی شاہ صاحب کا مرید تھا۔ اُن کو مجھ سے خاص محبت تھی۔ اور باوجود ضعف پیری کے میرے مکان پر ترمذی کا سبق پڑھنے آتے تھے۔ مینے ایک رؤیا دیکھا کہ انکی گود میں کئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مینے ایک جھپٹا مارا اور سب بچے اپنی گود میں لے کر وہاں سے چلدیا۔ رستہ میں مینے اُن بچوں سے پوچھا۔ کہ تم کون ہو؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمارا نام کٓھیٰعٓصٓ ہے۔ میں اپنے اس رؤیا کو بہت ہی تعجب سے دیکھتا تھا۔ جب میں حضرت مرزا صاحب کا مرید ہوا تو مینے اُن سے اس خواب کا ذکر کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ آپ کو اس کا علم دیا جائے گا اور وہ لڑکے فرشتے تھے دھرمپال نے جب ترک اسلام کتاب لکھی تو اس سے بہت پہلے مجھے ایک خواب نظر آیا تھا کہ اللہ مولیٰ مجھ سے فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن شریف کی کوئی آیت تجھ سے پوچھے اور وہ تجھ کو نہ آتی ہو اور پوچھنے والا منکر قرآن ہو تو ہم خود تم کو اس آیت کے متعلق علم دینگے"۔ جب دھرمپال کی کتاب آئی۔ اور خدا تعالے نے مجھ کو اس کے جواب کی توفیق دی۔ حروف مقطعات کے متعلق اعتراض تک پہنچکر ایک روز مغرب کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان مینے صرف اتنا ہی خیال کیا کہ مولا! یہ منکر قرآن تو ہے گو میرے سامنے نہیں یہ مقطعات پر سوال کرتا ہے۔ اسی وقت مینے دو سجدوں

کے درمیان قلیل عرصہ میں مجھ کو مقطعات کا وسیع علم دیا گیا جس کا ایک شمہ میں نے رسالہ نورالدین میں مقطعات کے جواب میں لکھا ہے۔ اور اُس کو لکھ کر میں خود بھی حیران ہو گیا۔ (دیکھو رسالہ نورالدین)

جموں میں ٹٹھیروں کی دو دکانوں کے پاس جُلاہ کے محلہ میں ایک مندر ہے۔ مَیں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ اس مندر کے سامنے آٹے۔ نمک۔ تیل وغیرہ یعنی پرچون کی ایک دوکان ہے۔ وہاں ایک ایک لکڑی کی چوکی پر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہیں میں وہاں سے گذرا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم ہمارے یہاں آٹا لے لو چنانچہ انہوں نے ایک لکڑی کی ترازو میں آٹا تولا جو بظاہر ایک آدمی کی خوراک کے قابل تھا۔ مَیں نے اپنے دامن میں اسکو لیا۔ جب وہ آٹا میرے دامن میں ڈال چکے تو کف ترازو کو زور سے ڈنڈی پر مارا تاکہ سب آٹا میرے دامن پر گر جائے۔ جب میں آٹا اپنے دامن میں لے چکا تو مَیں نے سوال کیا کہ آپؐ نے حضرت ابوہریرہؓ کو کوئی ایسی بات بتائی تھی جس سے وہ آپکی حدیثیں یاد رکھتے تھے؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" مَیں نے عرض کیا وہ بات مجھے بھی بتا دیں تاکہ مَیں آپؐ کی حدیثیں یاد کر لوں کہا کہ ہم کان میں بتائے دیتے ہیں۔ مَیں نے کان آگے کیا اور آپؐ نے اپنا مُنہ میرے کان سے لگایا کہ اتنے میں خلیفہ نورالدین نے میرے ایک پاؤں کو خوب زور سے دبایا۔ اور کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ میری سمجھ میں آیا کہ حدیث پر عمل کرنا ہی حدیثوں کے یاد کرنے کا ذریعہ ہے۔ اُٹھانے والا بھی خواب ہی کا فرشتہ ہوتا ہے اور نورالدین کے لفظ سے یہ تعبیر میری سمجھ میں آئی۔ وہاں بعض

اوقات مجھے خاص خدمت گاروں میں بیٹھنے کا موقعہ ملتا تھا۔ ایک دفعہ مینے اُن سے کہا آؤ ہم تمہیں قرآن سُنائیں وہ سب ہندو تھے مینے دو ایک روز اُنہیں قرآن سنایا۔ ایک شخص جس کا نام رتی رام تھا۔ اور وہ خزانہ کا افسر تھا۔ اور افسر خزانہ کا بیٹا بھی تھا۔ اس نے عام مجلس میں کہا کہ دیکھو ان کو قرآن شریف سُنانے سے روکو ورنہ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ قرآن شریف بڑی دلربا کتاب ہے اور اس کا مقابلہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور نورالدین کے سُنانے کا انداز بھی بہت ہی دلفریب اور دلربا ہے ❊

وہاں کے وزراء میں سے دیوان گوبند سہائے اور دیوان اننت رام اور دیوان کرپا رام دنیوی اخلاق کی رُو سے بہت ہی بے نظیر آدمی تھے وسعت خیالات کے ساتھ عام مروت کا مادہ بھی ان لوگوں میں تھا۔ دیوان لچھمن داس اور سردار روپ سنگھ۔ سردار لال من سردار موتی رام ایسے اشخاص ہیں جن کو میرے طبی مشوروں کے علاوہ مجھ سے خاص طور پر خطرناک معرکوں میں سلوک کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں ان کا ہمیشہ شکرگذار رہوں گا ❊

ایک دفعہ وہاں کے گورنر پنڈت رادھاکشن صاحب نے راجہ امر سنگھ کے مکان پر مجھ سے کہا کہ لیکھرام کے بعض اعتراضات جو اسلام پر کئے گئے ہیں بالکل لاجواب ہیں مسلمان ان کا جواب نہیں دے سکتے مینے کہا بات تو بڑی سہل ہے۔ آپ ان اعتراضوں میں سے اعلےٰ درجہ کا اعتراض میرے سامنے اس وقت پیش کریں۔ اور راجہ صاحب کو ہم جج بنائیں گے۔ تب انہوں نے اسکندریہ کے

کتب خانہ کے متعلق یہ اعتراض کیا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے حکم سے جلایا گیا۔ مینے اُن سے کہا کہ آپکی دنیا میں کوئی صحیح تاریخ
ہے؟ جس میں اسلامی پہلی صدی یا دوسری یا تیسری اور چوتھی صدی
کے درمیان اس قصہ کو کسی مورخ نے بیان کیا ہے آپ اُسکا
نام لیں انھوں نے کہا کہ مینے عربی تاریخیں نہیں پڑھیں مینے کہا کہ
آپ جانتے ہیں کہ مینے انگریزی تاریخیں نہیں پڑھیں مگر خیر اب
آپ کسی انگریزی تاریخ کا نام لیں جو نسبتاً قابل اعتماد ہو۔ تب
انہوں نے گبن کی تاریخ ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر
(تاریخ زوال سلطنت روما)

کا ذکر کیا مینے کہا بس یہی ایک کتاب ہمارے اور آپ کے درمیان
فیصلہ کن ہوگی منگوائی جائے۔ چنانچہ دیوان امرناتھ صاحب کے
کتب خانہ سے وہ کتاب منگوائی گئی۔ اور کتب خانہ کے متعلق جو کچھ
کہ اُس مصنف کا خیال تھا۔ گورنر صاحب کے سامنے پیش کیا۔ انہوں
نے کیسا تعجب کے قابل جواب دیا کہ چونکہ ہم کو ابتداء سے یہی
تعلیم دی جاتی ہے کہ اسلام کا مذہب بہت بُرا ہے اسواسطے
جو اعتراض اس پر کیا جائے ہم کو وہ عظیم الشان ہی معلوم ہوتا ہے
تب مینے راجہ صاحب سے کہا کہ آپکی مسلمان رعایا پنڈت جی سے
کیا فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ جبکہ یہ اسلام کے خیر خواہ ہیں (کشمیریوں
کے محاورہ میں خیر خواہ بدخواہ کو کہتے ہیں) گورنر صاحب نے کہا کہ
میں ہندو نہیں بلکہ بدھ ہوں۔ کیونکہ میں لداخ کا گورنر رہا ہوں وہاں

بدھوں کی تعلیم مجھ کو بہت پیاری معلوم ہوئی۔ مجھ کو ایک طرح بھی بھی موقعہ بھی بھا۔ اور بات بھی بن گئی مینے کہا کہ آپ کے محکمہ میں فتح محمدؐ اور فتح چند دو امیدوار ہوں - اور لیاقت میں بھی فتح محمد دوسرے سے بڑھا ہوا ہو تو آپ کس کو جگہ دیں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم فتح چند کو جگہ دیں گے گو وہ لیاقت میں کم ہی ہو۔ مینے کہا آپکی بات تو متضاد ہوگئی کیونکہ فتح چند بدھ نہیں ہے گورنر صاحب نے کہا کہ مجھ پر اپنے باپ کی تعلیم کا یہ اثر ہے۔ اسپر مینے راجہ صاحب سے کہا کہ آپ توجہ کریں کہ کیا حال آپکی مسلمان رعایا کا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے نظارے وہاں دیکھنے میں آئے۔ اللہ تعالےٰ سے رحم کا امیدوار ہوں +

جب راجہ پونچھ کو قلعہ یا ہو ہیں ذوسنطاریا نے آدبایا تھا وہاں سیوس اسیغول - انجبار اور شیرہ بکن نے مجھے تحریک دی کہ میں ہندی طب پڑھوں۔ کیونکہ بکن کی نسبت صرف ہندی طب رہنما ہوئی تھی۔ اس کام کے لئے پنڈت ہرنام داس بوڑھے پنڈت انتخاب کئے اور ان سے امرت ساگر اور سسرت سبقاً پڑھا اور طب جدید کی بہت سی مصری کتابیں منگوا کر مطالعہ کیں۔ پنڈت صاحب کی میں ایسی خدمت کرتا تھا۔ کہ بعض وقت ان کے لئے حقہ کی عمدہ قسم کی نلیاں کشمیر سے منگواتا تھا اور وہ بھی مجھ کو بچوں سے کم عزیز نہ سمجھتے تھے۔ اس میرے پڑھنے کی خبر مہاراج جموں کو کی گئی۔ یہ شخص ابھی پنڈت ہرنام داس سے طب پڑھتا ہے جو آپ کا ادنیٰ نوکر ہے۔ مجھ سے جب پوچھا گیا کہ تم دربار میں پنڈت ہرنام داس کی تواضع زیادہ کیوں کرتے ہو تو

میں نے کہا۔ کہ وہ میرے اُستاد ہیں۔ اس میری گفتگو نے رئیس کے دل پر بہت ہی بڑا اثر کیا اور مجھ کو بڑی عظمت سے دیکھنے لگا ❖

ان دنوں میں میرے مولا نے جو میری نخوت کا علاج کیا۔ وہ بھی عجیب ہے کہ میاں لعل دین کا بیٹا فیروز الدین جو مجھ سے دلی تعلق اور اخلاص اور گہری محبت رکھتا تھا۔ وہ عالم شباب میں مبتلاء چیچک ہوُا اور مر گیا۔ میرے سامنے اس نے جان دی۔ اس صدمہ کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مجھ پر کیا کیا گذری۔ اور مجھ کو یہ واقعہ اب تک بھی تکلیف دیتا ہے۔ کہ کوئی تدبیر وہاں کام نہ دے سکی بہت ہی ٹکریں ماریں مگر ناکامی رہی یہ سب خدا تعالیٰ کے فضل کی باتیں ہیں ❖

مَیں نے شیخ فتح محمد اور انکے تمام کُنبہ والوں اور انکے بھائی شیخ امام الدین کو خلوص و محبت کا نہایت ہی پاک نمونہ پایا۔ شیخ علی محمد تاجر وزیر آباد مقیم جموں کو بھی مجھ سے بڑی محبت تھی راجہ عطا محمد خاں رئیس باڑی پورہ اور راجہ فیروز دین خاں اور راجہ قطب الدین خاص ذکر کے قابل ہیں۔ اور ان میں طبی تذکرے بھی موجب ذکر ہیں مگر بات لمبی ہوتی جاتی ہے۔ صرف اتنا بتائے دیتا ہوں کہ ان میں سے ایک شخص جو خطرناک ضعف باہ میں گرفتار تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ کوئی خاص طور کی دوائی آپ مجھے دیں۔ مَیں نے اسکو نسخہ زدجام عشق بنا کر دیا جس کے استعمال کے بعد اس نے میری اور میری بیوی کی دعوت اپنے گھر میں کی۔ اور اسکی بیوی نے میری بیوی کے ہاتھ میں سونے کے بڑے بڑے کنگن بہت محبت سے ڈال دیئے۔ اور خود اس شخص نے قیمتی گھوڑے باصرار دیئے ❖

ایک شخص بڑے عملیات کے مدعی تھے۔ اور وہ اپنے آپ کو شاہ عبدالغنی صاحب کا مرید بھی ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے عملیات پر کتاب بھی لکھی تھی۔ مَیں نے شاہ صاحب کے تعلقات کی بنا پر ایک خط لکھا۔ جس پر انہوں نے مجھ کو ایک عمل لکھ کر بھیجا کہ اس سے پانچ روپیہ روز آدمی کما سکتا ہے۔ چونکہ وہ شاہ صاحب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے اس لئے مَیں نے اس عمل کا تجربہ کیا۔ میں طب کا پیشہ بھی کرتا تھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد مجھ کو یہ خیال ہوا کہ یہ جو مجھ کو آمدنی ہوتی ہے آیا اس عمل کا نتیجہ ہے یا طب کا۔ ان دونوں میں تشخیص کرنے کے لئے یا تو عمل چھوڑ دیا جائے۔ یا طب۔ سو مَیں نے طب کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ عمل کو چھوڑ دیا۔ اس مہینہ میں مجھ کو بارہ سو روپیہ کی آمدنی ہوئی۔ اس لئے مجھ کو رنج ہوا۔ کہ اس عمل کی نحوست سے بارہ سو کی بجائے ڈیڑھ سو ہی ملتا تھا جب میں جُدا ہو گیا تو ایک روز علی الصباح وہ عامل صاحب میرے مکان پر پہنچے میرے دل میں خیال گذرا کہ شاید یہ اپنے دل میں خیال کرتے ہوں گے کہ میرے عمل کے سبب یہاں نوکر ہے اس لئے مَیں نے اپنے نفس پر بہت ہی جبر کر کے اپنی عادت کے خلاف اُنکی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ چائے اور کھانا تو بڑی بات ہے مَیں نے انکی طرف دیکھا بھی نہیں آخر دس بج گئے۔ اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے مَیں نے کہا کہ نہیں میں آپ کو پہچانتا ہوں۔ آپ فلاں کتاب کے مصنف ہیں۔ اس سے زیادہ مَیں نے اور کوئی تعارف ظاہر نہ کیا۔ وہ میرے اس روکھے پن سے بہت ہی متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ کہیں تو میں میاں لعل دین کے مکان پر جا ٹھہروں۔ مَیں نے کہا۔ ہاں آپ شوق

سے جائیں۔ چنانچہ وہ اُٹھ کر میاں صاحب کے یہاں پہنچے۔ تھوڑی دیر
کے بعد میاں صاحب کا ایک خدمت گار میرے پاس دوڑتا ہُوا آیا
اور کہا کہ ابھی میاں صاحب کے مکان پر ایک عامل آیا ہے جس نے
ایک تعویذ لکھ کر آگ میں ڈالا اور وہ اشرفی بن گیا وہاں اس عامل کی
بڑی خاطر و مدارات ہو رہی ہے۔ پلاؤ اور زردے پک رہے ہیں۔ دو ایک
روز کے بعد وہ عامل پھر میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے کہا کہ آپ اگر
میرے لئے کوشش کریں تو یہاں دُعاگویوں کی ایک مد ہے ساٹھ روپیہ
تنخواہ ہوتی ہے مجھے اس میں ملازم کرا دیں یہ سُنکر مجھ کو اور بھی شبہ
ہُوا کہ مجھ کو تو انہوں نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا عمل بتایا اور خود ساٹھ
روپیہ ماہوار کے لئے سفارش چاہتے ہیں میں نے کہا اس قسم کی نوکریاں
میاں صاحب اور حافظ حکیم فدا محمد صاحب کی معرفت مل سکتی ہیں۔ میری
نسبت اس رئیس کا خیال ہے کہ یہ شخص اس قسم کے لوگوں سے بہت
تعلق نہیں رکھتا جو گنڈے تعویذ کرتے ہیں۔ مجھے انکی تصنیف اور
انکے حالات اور اس تعلق پر جو انہوں نے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب
سے ظاہر کیا بہت ہی افسوس اور رنج ہُوا۔ کہ دُنیا میں مسلمانوں
نے اپنا کیسا حال بنایا ہے پھر وہ پندرہ روپیہ ماہوار تک بھی آ گئے
لیکن میں نے ان کو ملامت نہ کی ✧

پونچھ میں مجھ کو ایک فقیر ملا۔ جو بازاروں میں عجیب طرح کی
آوازیں کسا کرتا تھا میں نے اس کو بُلا کر کہا کہ تم یہ کیا حرکت کیا کرتے ہو
جب میں نے اسکی بہت مدارات کی تو اس نے کہا کہ میں چالیس برس سے
ایک فقیر کا معتقد ہوں اور اس نے مجھے ایک عمل بتایا ہے میں اسی

کی مشق کیا کرتا ہوں۔ تین باتوں کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا
مگر ابھی اُن تینوں باتوں میں سے کوئی ظاہر نہیں ہوئی۔ لیکن میں
عمل برابر کئے جاتا ہوں۔ مینے کہا اُن باتوں میں سے تم ایک بات
تو بتاؤ۔ اس نے کہا کہ فقیر نے بتایا تھا کہ تم جب آنکھیں بند
کروگے تو تم کو سب حقیقت کا پتہ لگ جائے گا۔ مینے کہا یہ تو میں
تم کو ابھی بتائے دیتا ہوں تم آنکھیں بند کرو۔ چنانچہ اُس نے
آنکھیں بند کرلیں۔ مینے کہا تم کو کچھ نظر آتا ہے کہا اندھیر نظر آتا ہے۔
مینے کہا حقیقت تو معلوم ہوگئی کہ اس عمل میں سوائے اندھیر کے
اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا کہ مجھ سے یہ بھی کہا تھا۔ مرے ہوئے
لوگوں کی بُرائیوں اور بھلائیوں سے آگاہ ہوسکتے ہو۔ اُسوقت
میں ایک ایسی جگہ تھا۔ کہ سامنے عبدالغفور نام ایک بزرگ کی
خانقاہ تھی اور اس کے قریب ہی ایک کنچنی کی قبر تھی۔ مینے
اس بزرگ کی خانقاہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ کس کی قبر
ہے؟ اس نے کہا کہ یہ تو بڑے بزرگ ولی گزرے ہیں۔ پھر مینے
دوسری قبر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ کس کی قبر ہے کہا کہ یہ ایک
بدکار کنچنی کی قبر ہے۔ مینے کہا بس یہ بات تو تم کو حاصل ہے وہ
بہت ہی حیران سا ہوگیا۔ اور میرے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور
آیندہ اپنی حرکات سے باز رہنے کا وعدہ کرکے ایک بھلا آدمی
بنکر میرے پاس سے چلا گیا۔ مینے ایک مرتبہ جبکہ اسکو میرے
موجود ہونے کا علم نہ تھا اُس کو بازار میں پھر بھی ویسی حرکت
کا مرتکب دیکھا۔ لیکن مینے اپنے دل میں سوچا کہ اس کو چالیس

برس کی عادت جس کام کی پڑی ہوئی ہے یک لخت اس کا چھُوٹنا مشکل ہی ہے ؞

ایک شیعہ طبیب بھی وہاں تھے۔ جن کو اپنے مذہب میں بہت غلو تھا۔ چونکہ وہ میرے ہم پیشہ تھے۔ اور ولیعہد صاحب کے وہ خاص طبیب تھے ایک دن انہوں نے مطاعن صحابہؓ کا ذکر شروع کیا۔ مَیں نے انکی خدمت میں مختصرًا اتنا ہی عرض کیا کہ عمرؓ نام صحابی کی اولاد میں سے مَیں بھی ہوں۔ ہاں! اب آپ اعتراض کریں انکی شرافت کا یہ عجیب حال ہے کہ جب تک ہم وہاں رہے انہوں نے مذہبی چھیڑ چھاڑ میرے سامنے کبھی نہ کی۔ صرف مَیں نے ولیعہد کی تحریک پر ایک خط لکھا تھا۔ جو مطبوعہ موجود ہے۔ مگر اس کا بھی انہوں نے جواب نہ دیا ؞

ایک مرتبہ دیوان اننت رام صاحب وزیر اعظم کے اُستاد مولوی عبداللہ صاحب نے سرکار میں میری شکایت اس بنا پر کی کہ یہ اس شخص کی اولاد ہے جس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گدی پر غاصبانہ حملہ کیا۔ چونکہ میرے سامنے کا واقعہ نہیں ہے مجھے اُسکی تفصیل سے آگاہی نہیں۔ صرف سرکار نے مجھ سے کہا کہ پیغمبر صاحبؐ کا جانشین اُنکی اولاد کو کیوں نہیں کیا گیا مَیں نے اس کو مذہبی جھگڑا نہ سمجھا۔ عرض کیا کہ آپکی نرینہ اولاد نہ تھی اور بیٹی کی اولاد میں بھی کوئی بالغ لڑکا نہ تھا۔ اور آپؐ کی گدی کوئی دنیوی رسومات کی گدی نہ تھی۔ اس لئے دنیوی رسومات کے مطابق کوئی گدی نشین نہیں بنایا گیا۔ لیکن جب انہوں نے مجھ سے یہ کہا

کہ مولا مرتضےٰ رضؓ آپ کے بیٹے تھے۔ لیکن عمرؓ نے غاصبانہ رنگ میں اس گدی کو حاصل کیا۔ تب مجھے معاً خیال آیا۔ کہ یہ مولوی عبداللہ صاحب کی تحریک ہے۔ اللہ تعالےٰ نے میرے دل میں یہی ڈالا کہ حضرت علیؓ داماد تھے اور حضرت عمرؓ آپؐ کے بلافصل جانشین نہیں تب انہوں نے پوچھا کہ کیا حضرت علیؓ بیٹے نہیں تھے۔ وہاں خود ریس کا ایک داماد بیٹھا تھا۔ میں نے کہا ایسا ہی دامادی کا تعلق تھا۔ جیسا اس راجہ کو حضور سے ہے تب انہوں نے بہت گرم ہو کر اور جھنجلا کر کہا کہ اب میں مباحثہ کی بنا کو سمجھ گیا ہوں دیکھو ہم لوگ داماد اور وزیر ایسے لوگوں کو نہیں بناتے جو سلطنت کا استحقاق رکھتے ہوں دیکھو یہ ہمارے ساڑوں دساڑوں یا ساٹنوں اُن کی زبان میں داماد کو کہتے ہیں) ہیں۔ غدر میں انہوں نے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ اسلئے ان کو پورٹ بلیر (کالاپانی) بھیجا گیا۔ جب ہم نے غدر میں انگریزوں کی خدمات کیں تو اُس کے بدلہ میں انہوں نے ہم کو کوئی ملک دینا چاہا لیکن ہم نے بجائے علاقہ لینے کے ان کو اور ان کے باپ کو پورٹ بلیر سے بُلایا۔ اور اُنکی ریاست ان کو دلوا کر اپنی لڑکی ان سے بیاہ دی اب اگر یہ ذرا بھی کوئی حرکت کریں تو پورٹ بلیر موجود ہے اور یہ اننت رام جی ہمارے وزیر اعظم ہیں اگر اب ہم موقوف کر دیں تو یہ نون تیل کی دکانداری کریں۔ پھر مجھے معلوم نہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب کو انہوں نے کیا کہا ؛

ایک دفعہ مجھے کتاب عبقات انوار کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا جو حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کی بحث پر ہے اور

میر حامد حسین صاحب نے سات سو صفحات سے زیادہ پر لکھی ہے
ایک میر نواب لکھنؤ کے شیعہ وہاں طبیب تھے اور مینے سُنا یہ
کتاب انکے پاس ہے مینے ان سے طلب کی تو انہوں نے کہا کہ
رات کے دس بجے آپ لیں۔ اور صبح کے چار بجے آپ واپس
کر دیں تو میں دے سکتا ہوں۔ مینے سمجھا کہ یہ میری دن بھر برابر
کام کرنے کی عادت سے واقف ہیں انہوں نے سوچا ہوگا کہ
دن بھر کا تھکا ہوا رات کو سو جائے گا۔ کتاب کیا دیکھ سکے گا؟
بہر حال مینے رات کے دس بجے وہ کتاب منگوائی اور محض
خدا تعالیٰ کے فضل سے میں جب اس کے مطالعہ اور خلاصہ
اور نقل سے فارغ ہو گیا تو مینے اپنے ملازم کو آواز دی اور پوچھا
کہ اب کیا بجا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی چار نہیں بجے مینے
کہا کہ حکیم صاحب کی یہ کتاب دے آؤ۔ اس خلاصہ کو مینے ایک نظر
پھر بھی دیکھ لیا۔ میں حیران تھا کہ اتنی بڑی محنت کیوں کی گئی ہے
اس خلاصہ کے مکرّر دیکھنے میں مینے اس کے کچھ جوابات بھی سوچ
لئے ہوئے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک دن شیخ مفتی محمد
صاحب نے کہا کہ میری اور آپکی آج الٰہی بخش نام ایک رئیس کے
ہاں ضیافت ہے میں اور شیخ صاحب دونوں اکٹھے ضیافت کو
چلے تو رستہ میں شیخ صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ میاں الٰہی بخش
ایک جوشیلے شیعہ ہیں۔ انہوں نے کوئی مجتہد بلوایا ہے۔ جسکی آپکے
ساتھ بحث ہوگی۔ اور شرط یہ ٹھیری ہے کہ ہم جس قدر سنی وہاں
دعوت میں شامل ہونگے اگر مباحثہ میں آپ ہار گئے تو ہم کو شیعہ

ہونا پڑے گا۔ اور پہلے سے اس کا ذکر آپ سے اس لئے نہیں کیا
کہ طیاری کر کے جاتے تو مزہ نہ آتا۔ مَینے شیخ صاحب کو بہت ملامت
کی کہ ایسی شرطیں نہیں کیا کرتے مگر انہوں نے میری باتیں ہنسی ہی
میں اُڑا دیں جب وہاں پہنچے تو شیخ فتح محمد صاحب نے جو بڑے
ہی بے تکلف بھی تھے کہا کہ ارے او شیعو! لاؤ کہاں ہیں وہ
تمہارے بحث کرنے والے مولوی۔ چنانچہ کتاب عبقات انوار
میرے سامنے پیش کی گئی۔ ابھی تک مَینے مجتہد صاحب کو بھی
نہیں پہچانا تھا۔ کیونکہ اسوقت تک میرے سامنے نہیں ہوئے
تھے۔ مَینے اپنے مولا کا بڑا ہی شکر ادا کیا کہ یہ وہی کتاب ہے
جو مَیں دیکھ چکا ہوں مَینے اس کتاب کے جلد جلد ورق اُلٹنے
شروع کئے۔ چند منٹ میں اس کے سب ورقوں کو الٹ گیا۔
پھر مینے وہ کتاب میاں الٰہی بخش کے سامنے رکھ دی اور عرض
کیا کہ منشاء کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ اس کتاب کو بہت
بہت غور سے پڑھیں۔ میں اپنے مولا کی غریب پروری کی کوئی حد
نہیں سمجھتا اسوقت مجھ کو بڑی خوشی ہوئی۔ مَینے کہا کہ مَینے یہ کتاب
پڑھ لی۔ اگر کہیں تو میں اس کا خلاصہ سُنا دوں اور پھر اس کا
جواب نہایت مختصر طور پر عرض کر دوں وہاں بہت سے شیعہ
مولوی موجود تھے۔ سب نے کہا کہ آپ خلاصہ سُنائیں۔ مَیں نے
اللہ تعالےٰ کے محض فضل سے خلاصہ سُنایا جس کے سُننے کے
بعد اُن شیعوں نے علیحدہ جا کر سرگوشی کی۔ کہ اس شخص سے مباحثہ
کرنا ہمارا کام نہیں۔ الٰہی بخش نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ کھانا

لاؤ۔ بس پھر کیا تھا ہمارے شیخ فتح محمد صاحب نے خوب اُچھل
اُچھل کر کہا کہ ہم کھانا نہیں کھاتے مباحثہ ہو جائے۔ اور بلاؤ کہاں
ہیں تمہارے مباحثہ کرنے والے۔ میرے اس خلاصہ کے سُنانے
سے یہ فائدہ ہُوا کہ مباحثہ کے لئے کوئی سامنے نہ آیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے
محض اپنے فضل سے وہ مباحثہ ٹال دیا +

مَیں نے ریاست کے معاملات میں بہت ہی غور کیا ہے۔ وہاں
چار نقص بڑے ہیں۔ اوّل یہ کہ رئیس کے خدمت گار جس قدر اہل
ہوں اُسی قدر اُن کا زیادہ رسوخ ہوتا ہے۔ اور وہ بہت تھوڑی طمع
پر ایک شریف کی ہتک کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ مَیں نے خود ایک دفعہ
اس موجودہ رئیس سے کہا کہ آپ ان خدمت گاروں سے اس قدر
ڈرتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑے خبیث باطن
ہوتے ہیں انکی دو چار روپیہ تو تنخواہ ہوتی ہے تھوڑی سی طمع پر یہ
اپنے آقا کو زہر دیدیتے ہیں۔ ان کو دو روپیہ کی بجائے سو روپیہ
ملجائیں اور یہ قتل کر دیں تو ان کا کیا کر سکتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ آپ
ان کو موقوف کر سکتے ہیں۔ کہا کہ وہ جو دوسرے آئینگے وہ بھی انہیں
کے بھائی بند ہونگے۔ یہ ایک بڑی خطرناک قوم ہے جو ہمارے ارد
گرد رہتی ہے۔ پھر کہا کہ میری ولیعہدی کے زمانہ میں ان لوگوں
نے مجھے ایسا لوٹا ہے جسکی کوئی حد نہیں ہے؟

دوسرا نقص یہ ہے۔ کہ یہ لوگ چونکہ شرفا کو زیر و زبر کرتے
رہتے ہیں۔ اس واسطے ارکان و عمائد میں رئیس کی نسبت بھی اور
آپس میں بھی بدظنی بہت پھیل جاتی ہے۔ اس بدظنی کا یہ نتیجہ ہوتا

ہے کہ کسی کام کو وہ دل لگا کر نہیں کرتے۔ بلکہ ایام گذاری ہی کرتے ہیں ✣

تیسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ اپنی ناپائداری کو دیکھ کر طمع کا دامن بہت دراز کر لیتے ہیں ✣

چوتھا نقص یہ ہوتا ہے کہ ایجنٹوں اور رزیڈنٹوں کے کانوں میں عجیب در عجیب متضاد باتیں پہنچتی ہیں جس سے ان کو رئیس سے بڑا تنفر پیدا ہو جاتا ہے ✣

ایک معزز کو ذلیل کر دینا اور ایک ذلیل کو معزز بنا دینا یہ لوگ اپنے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے ہیں میرے سامنے جو جو شرفا بگڑے اور جو جو غربا امیر بنے وہ ایسے واقعات ہیں جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دو چار روپیہ کے ملازم لاکھوں روپیہ کے مالدار بنجاتے ہیں اور لاکھوں روپے والے خاک میں مل جاتے ہیں ✣

میاں لعل دین وہاں کے بڑے رئیسوں اور امرا میں سے تھے۔ اور اصل میں خدمت گاری ان کا عہدہ تھا مجھ سے کسی سبب سے ان کو بہت رنج تھا۔ میں ایک روز اُن کے مکان پر چلا گیا۔ ان کا مکان حاجتمندوں سے بھرا پڑا تھا۔ اور وہ ایک کھڑکی میں اونچے بیٹھے ہوئے اپنے منشی سے کچھ حکم لکھا رہے تھے۔ کیونکہ وہ خود لکھے پڑھے نہ تھے جُوں جُوں حاجتمند اُٹھتے گئے اور مکان خالی ہوتا گیا۔ میں بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھتا گیا آخر ان کا خدمت گار اور منشی ہی رہ گیا۔ اور میں بھی بہت ہی قریب جا پہنچا۔ اُن کو

معلوم تھا کہ میں ان کے مکان پر کبھی نہیں جاتا تھا۔ اس واسطے
بہت متعجب ہو کر پوچھا کہ آپ کس واسطے آئے ہیں اُن کے
نوکر اور منشی بھی اُس وقت یہ سمجھ کر کہ اس کو کوئی خاص
بات خلوت میں کہنی ہے چلے گئے تھے۔ صرف ہم دونوں
ہی موجود تھے۔ مینے کہا کہ آپ کا جاو جلال ایسا ہے کہ
عام علماء تو آپ کو کچھ کہہ نہیں سکتے اور ہر آدمی کے لئے ایک
واعظ کی ضرورت ہے میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ سے
دریافت کروں کہ آپ کا واعظ کون ہے۔ اسپر انہوں نے
کہا کہ میں ان پڑھ آدمی ہوں باریک باتیں ہیں سمجھ نہیں
سکتا۔ مینے کہا کہ ہر آباد شہر کے قریب کوئی اُجڑا شہر ضرور
ہوتا ہے اور ہر ایک امیر کے مکان کے قریب حوادث زمانہ
کے مارے ہوئے امیر کا ویران گھر ضرور ہوتا ہے اور وہی ویرانہ
اس کا واعظ بن سکتا ہے۔ اسپر وہ کچھ متحیر ہو کر کہنے لگا۔ کہ
مولوی صاحب چونکہ میں ان کے گھٹنے کے بالکل قریب ہی
تھا۔ اور آگے کوئی جگہ نہ تھی اسلئے مینے اپنا سر ہی آگے
کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو میرا بیٹھنے کا گدیلا تو وہ ہے!
اور میں ہمیشہ اس کھڑکی ہی میں بیٹھتا ہوں۔ آپ دیکھیں اس
کھڑکی کے سامنے ایک محرابدار دروازہ ہے۔ اور اسوقت مجھے
معلوم ہوا کہ یہ میرے لئے واعظ ہے اس گھر کا مالک ہماری
ہی قوم کا ایک شخص تھا۔ اور اتنا بڑا آدمی تھا کہ سُرخ چھاتا
اس کے لئے مہاراج کے سامنے لگایا جاتا تھا۔ اور ہم لوگ

تو کالی چھتری بھی سرکار کے سامنے نہیں لگا سکتے۔ اب اس گھر کا مالک ایسا ویران ہوا ہے کہ خود اسکی بیوی میرے گھر میں برتن مانجنے پر ملازم ہے۔ میں سنتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا۔ اور یہ کہہ کر کہ آپ کیلئے یہ واعظ بس ہے۔ وہاں سے چلدیا۔ پھر یہی یہ مضمون سرکار کے سامنے دوہرایا تو انہوں نے کہا میرے لئے تو کئی واعظ موجود ہیں۔ اول جہاں ہم لوگوں کو راج تلک لگایا جاتا ہے۔ اسکے گرد جو بڑا ویرانہ اور کچے مکانات ہیں یہ سب اصل مالکوں کے مکانات ہیں اور وہ لوگ اب تک بھی ہم لوگوں کو سلام کرنے کے مجوز نہیں۔ دوسرے میں جہاں کچہری لگاتا ہوں۔ اسکے سامنے دھارانگر ایک مشہور شہر تھا۔ جو بالکل ویران ہے۔ تیسرا ابا ہو کا قلعہ میرے سامنے ہے اور وہ بھی بہت بڑے طاقتور راجوں کا قلعہ تھا۔ ہمارے لئے اُن سے بڑھ کر کوئی واعظ ممکن نہیں۔ پھر جن لوگوں کے ہم نے ملک لئے وہ بھی کچھ کم واعظ نہیں ہیں *

ایک شخص راجہ سورج کول نام وہاں کونسل کے سینئر ممبر تھے اُن کے گردہ میں بہت مدت سے درد تھا۔ مجھ کو انہوں نے بُلایا میری تشخیص میں اُن کے گُردہ میں پتھری ثابت ہوئی۔ جب میں نے بے تکلفی سے اُن سے کہدیا تو انہوں نے بہت ہی رنج ظاہر کیا اور کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ سات انگریز میرے ماتحت رہے ہیں مینے کہا کہ انگریزوں کے ماتحت رہنے سے گردے کی پتھری نہیں رُک سکتی۔ پھر انہوں نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ڈاکٹر ہے۔ مینے کہا کہ بیٹے کے ڈاکٹر ہونے سے بھی باپ کی پتھری نہیں رُک سکتی۔ اسپر

وہ بہت ہی ناراض ہو گئے۔ کچھ مدت کے بعد پیری نام ایک انگریز جو
لاہور میڈیکل کالج میں پروفیسر تھا۔ وہاں گیا اور مہاراج نے ان راجہ
صاحب کے درد گردہ کا ذکر کیا اور تاکید کی کہ آپ ضرور علاج کریں
ڈاکٹر نے اُنکو جا کر دیکھا اور فکر کرنے لگا کہ اتنے میں راجہ صاحب نے کہا
کہ ایک دیسی طبیب نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ تمہارے گردہ میں پتھری ہے۔
یہ سُنتے ہی انگریز نے دوسرے انگریز سے کہا کہ فوراً گردے کو چیر دو۔ اس
انگریز نے فوراً اشگاف دیا مگر پتھری اسکو نظر نہ آئی۔ اسپر پیری صاحب نے
نشتر خود ہاتھ میں لیا۔ اور شگاف کو وسیع کیا تو گردے کی نالی کے پاس
پتھری نظر آئی۔ اس کو نکالا اور بڑی خوشی کی۔ اور میرے متعلق بھی جو
کچھ اُن سے بن پڑا بہت کچھ تعریفی لفظ بولے۔ راجہ صاحب نے پھر
مجھے بُلایا۔ مگر میں نے جانا پسند نہ کیا۔ اسپر وہ پھر ناراض ہو گئے۔ گو مجھے
پورا علم نہیں ہے۔ مگر قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر میرا وہاں
رہنا اور مجھ کو دیکھنا پسند نہ کیا۔ وہاں کے دوسرے ممبر نے جن کا نام
باگ رام تھا مجھ سے کہا کہ اگر آپ استعفا دیدیں تو اس میں بڑے مصالح
ہیں میں نے اُن سے کہا کہ بنے ہوئے روزگار کو خود چھوڑنا ہماری شریعت
میں پسند نہیں کیا گیا۔ الاقامۃ فی ما اقام اللہ ضروری ہے باگ رام
صاحب نے مجھ کو استعفٰی کی ترغیب دی لیکن میں نے شرعی امر کو مقدم سمجھا
آخر ایک روز میری علیحدگی کا پروانہ آیا۔ اور جب پھر مجھے کسی تقریب
پر وہاں جانا پڑا۔ تو موجودہ مہاراج صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آپ پر
بھی بہت بیجا ظلم ہوا ہے آپ معاف کر دیں میں نے کہا یہ تو خدا تعالیٰ
کا گناہ ہے۔ خدا کا گناہ خدا تعالےٰ ہی معاف کر سکتا ہے۔ بندے

کی کیا طاقت ہے۔ اِن کے والد ماجد عالم لوگوں سے خواہ وہ کسی مذہب کے
ہوں جیسا کہ مَیں نے ذکر کیا ہے ڈرتے تھے۔ ان دنوں میں مہاراج کو اپنے
چھوٹے بھائی صاحب سے کدورت تھی۔ اور میرا ان کے ساتھ بڑا تعلق تھا
اسلئے اُور بھی ممبر صاحب کو موقع مل گیا ؂

جموّں میں حاکمؔ نام ایک ہندو پنساری تھا وہ مجھ سے ہمیشہ نصیحتاً
کہا کرتا تھا کہ ہر مہینہ میں ایک روپیہ آپ پس انداز کر لیا کریں یہاں
مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہدیا کرتا۔ ایسے خیالات کرنا
اللہ تعالےٰ پر بدظنی ہے۔ ہم پر انشاء اللہ تعالےٰ کبھی مشکلات نہ آئینگے
جس دن مَیں وہاں سے علیحدہ ہُوا۔ اُس دن وہ میرے پاس آیا
اور مجھ سے کہا آج شاید آپ کو میری نصیحت یاد آئی ہوگی میَں نے کہا
میں تمہاری نصیحت کو جیسا پہلے حقارت سے دیکھتا تھا۔ آج بھی ویسا
ہی حقارت سے دیکھتا ہوں۔ ابھی وہ مجھ سے باتیں ہی کر رہا تھا۔ کہ
چارسو اسّی روپیہ میرے پاس آئے کہ یہ آپکی اِن دنوں کی تنخواہ ہے
اُس پنساری نے افسروں کو گالی دے کر کہا کہ کیا نوردین تم پر
نالش تھوڑا ہی کرنے لگا تھا۔ لیکن وہ اپنے غصہ کو فرو نہ کرنے
پایا تھا کہ ایک رانی صاحبہ نے میرے پاس بہت سا روپیہ بھجوایا۔
اور کہا کہ اِس وقت ہمارے پاس اس سے زیادہ روپیہ نہ تھا۔ یہ
ہماری جیب خرچ کا روپیہ ہے۔ جس قدر اس وقت موجود تھا۔
سب کا سب حاضرِ خدمت ہے پھر تو اُس کا غضب اور بھی
بڑھ گیا۔ مجھ کو ایک شخص کا ایک لاکھ پچانویں ہزار روپیہ دینا تھا
اُس پنساری نے اس طرف اشارہ کیا کہ بھلا یہ تو ہو۔ جن کا آپ کو

قریباً دو لاکھ روپیہ دیتا ہے وہ آپ کو بدون اِسکے کہ اپنا اطمینان کرلیں کیسے جانے دینگے۔ اتنے میں انہیں کا آدمی آیا۔ اور بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس ابھی تار آیا ہے میرے آقا فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کو تو جانا ہے۔ ان کے پاس روپیہ نہ ہوگا۔ اس لئے تم اُن کا سب سامان گھر جانے کا کردو۔ اور جس قدر روپیہ کی ان کو ضرورت ہووے دو۔ اور اسباب کو وہ ساتھ نہ لے جاسکیں تو تم اپنے اہتمام سے بحفاظت پہنچا دو۔ مَینے کہا مجھ کو روپیہ کی ضرورت نہیں۔ خزانہ سے بھی روپیہ آگیا ہے اور ایک رانی نے بھی بھیجدیا ہے۔ میرے پاس روپیہ کافی سے زیادہ ہے اور اسباب میں سب ساتھ ہی لے جاؤنگا غالباً اسوقت میرے پاس پارہ سو یا اس سے بھی کچھ زیادہ روپیہ آگیا تھا۔ وہ ہندو پنساری کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ پرمیشر ون کے یہاں بھی کچھ لحاظ داری ہوتی ہے۔ ہم لوگ صبح سے لیکر شام تک کیسے کیسے دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ تب کہیں بڑی دقت سے روپیہ کا مُنہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ بھلا اور تو ہوا اُس احمق کو دیکھو اپنے روپیہ کا مطالبہ تو نہ کیا اور دینے کو تیار ہو گیا۔ مَینے کہا خدا تعالےٰ دلوں کو جانتا ہے۔ ہم اس کا روپیہ انشاءاللہ تعالےٰ بہت ہی جلد ادا کر دینگے۔ تم اِن بھیدوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ پھر میں پہنچ کر میرا ارادہ ہوا کہ مَیں ایک بہت بڑے پیمانہ پر شفاخانہ کھولوں اور ایک عالیشان مکان بنالوں۔ وہاں مَینے ایک مکان بنایا۔ ابھی وہ ناتمام ہی تھا۔ اور غالباً سات ہزار روپیہ اُسپر خرچ ہونے پایا

تھا کہ میں کسی ضرورت کے سبب لاہور آیا۔ اور میرا جی چاہا کہ حضرت صاحب کو بھی دیکھوں۔ اس واسطے میں قادیان آیا۔ چونکہ بھیرہ میں بڑے پیمانہ پر عمارت کا کام شروع تھا۔ اسلئے مینے واپسی کا یکہ کرایہ کیا تھا یہاں آکر حضرت صاحب سے ملا اور ارادہ کیا کہ آپ سے ابھی اجازت لیکر رخصت ہوں۔ آپ نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے فرمایا کہ اب تو آپ فارغ ہو گئے۔ مینے کہا اب تو فارغ ہی ہوں۔ یکہ والے سے مینے کہدیا کہ اب تم چلے جاؤ۔ آج اجازت لینا مناسب نہیں ہے کل پرسوں اجازت لینگے۔ اگلے روز آپ نے فرمایا کہ آپ کو اکیلے رہنے میں تو تکلیف ہوگی۔ آپ اپنی ایک بیوی کو بلوا لیں مینے حسب الارشاد بیوی کے بلانے کے لئے خط لکھ دیا۔ کہ ابھی میں شاید جلد نہ آسکوں اسلئے عمارت کا کام بند کر دیں۔ جب میری بیوی آگئی تو آپ نے فرمایا کہ آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا کتب خانہ منگوا لیں۔ تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ دوسری بیوی آپکی مزاج شناس اور پرانی ہے آپ اس کو ضرور بلا لیں۔ لیکن مولوی عبدالکریم صاحب سے فرمایا کہ مجھ کو نورالدین کے متعلق الہام ہوا ہے۔ اور وہ شعر حریری میں موجود ہے۔ ؎

لا تصبون الی الوطن فیہ تہان و تمتحن

خدا تعالےٰ کے بھی عجیب تصرفات ہوتے ہیں میری واہمہ اور خواب میں بھی پھر مجھے وطن کا خیال نہ آیا۔ پھر تو ہم قادیان کے ہو گئے +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت خلیفہ اولؓ

کی

قادیانی زندگی!

حضرت خلیفۂ اولؓ کی خود لکھوائی ہوئی سوانحعمری کے ساتھ جس میں آپ کے صرف قادیان تک پہنچنے کے حالات درج ہیں۔ مینے ضروری سمجھا کہ آپ کے قادیانی حالات تا وفات بھی مختصراً درج کئے جائیں۔ اس کے لئے مینے حضرت مخدومی مفتی محمد صادق صاحب کو تکلیف دی۔ جنہوں نے از راہِ عنایت باوجود غیر معمولی عدیم الفرصتی کے مندرجہ ذیل حالات مرتب فرما کر بغرض اندراج دیئے۔ جو ہدیہ ناظرین ہیں۔ (فخر ملت ثانی)

ابتدائے ہجرت

ابی المکرم استاد المعظم حضرت حافظ حاجی مولینا

مولوی حکیم نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عاشق صادق۔ اول المبائعین اور اوّل المہاجرین تھے۔ اللہ کریم کی ہزاروں برکتیں اور رحمتیں آپ کی رُوح پر اور آپ کی آل اولاد پر ہوں۔ ابدالآباد کے لئے۔ اور جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس دنیا میں حسنات سے مالامال کیا۔ ایسا ہی اور اس سے بڑھ کر اس عالم میں بھی اللہ تعالےٰ انہیں تمام حسنات اور انعامات سے مالا مال کرتا رہے۔ اور اپنے رضا و قرب کے مقامات و مدارج پر ترقی دیتا رہے۔ ابدالآباد کے لئے۔ آمین ثم آمین ؏

ریاست جموں کی ملازمت سے جب آپ علیحدہ ہوئے۔ مَیں اسوقت آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ کیونکہ میں بھی اس وقت جموں ہائی اسکول میں ٹیچر تھا۔ ہزار پندرہ سو روپے ماہوار کی آپ کی آمدنی تھی۔ اور خرچ جو قریبًا سارا ہی فی سبیل اللہ ہوتا تھا۔ وہ اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہوتا تھا۔ کبھی آپ کی عادت نہ تھی۔ کہ روپیہ پیسہ جمع رکھیں اس حالت میں ملازمت ریاست سے اچانک علیحدگی کے باوجود نہ آپ کے چہرہ پر کوئی ملال تھا۔ نہ اس کا کوئی احساس تھا۔ جیسا روز مرّہ آپ درس تدریس میں بیماروں کو دیکھنے میں لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں اور اپنی کتب کے مطالعہ کرنے میں مصروف اپنی نشست گاہ میں کھلا دربار لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ جہاں لوگ بے تکلف آتے جاتے رہتے تھے۔ ایسا ہی اُسدن اور اس سے دوسرے دن جو تیاری سفر کا دن تھا۔ آپ حسب معمول بیٹھے رہے۔ گویا علیحدگی ملازمت کا واقعہ ہوُا ہی نہیں۔ یا ہوُا ہے۔ تو روزمرّہ کی باتوں میں سے ایک معمولی سی بات ہے

جموں سے آپ اپنے وطن بھیرہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے مکان کے سامنے آپکی مملوکہ بہت سی خالی زمین پڑی تھی۔ اسپر مطب اور مہمانوں کی رہایش کے واسطے مکانات بننے شروع ہو گئے۔ یہ غالباً ۱۸۹۲ء کا واقعہ ہے۔ بھیرہ اسوقت پنجاب بھر کے بیماروں کے واسطے رجوع کا مرکز بن گیا۔ دُور و نزدیک سے لوگ آنے شروع ہو گئے۔ صدہا بیماروں کا روزانہ علاج کیا جاتا۔ اور دوائی حسب معمول مفت دی جاتی اسی حال میں کہ مکانات تیار ہو رہے تھے۔ آپکو کسی ضرورت کے واسطے دو تین دن کیلئے لاہور آنا پڑا۔ لاہور پہنچکر قادیان قریب ہونیکے سبب آپ ایک روز کے واسطے قادیان بھی آگئے۔ یہ غالباً ۱۸۹۳ء کا واقعہ ہے۔ یہاں اسوقت حضرت مولنا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے آپ سے ذکر کیا۔ کہ حضرت صاحب (مسیح موعود) کا یہ منشاء معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اب ملازمت سے فارغ ہو گئے ہیں۔ اب آپ یہیں رہیں۔ حضرت مسیح موعود کے اس منشاء کی خبر سُنتے ہی آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا۔ اب یہاں سے نہیں جاتے۔ اور یہیں رہ پڑے۔ نہ کوئی سامان لینے گئے۔ نہ کوئی سامان منگوایا۔ بس جیسے آئے تھے۔ ویسے ہی بیٹھ گئے۔ یہ تھی آپ کی فرمانبرداری کی رُوح۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو ایسی ہی فرمانبرداری کی ہمت اور توفیق عطا فرماوے۔ آمین! *

اسطرح آپ ہجرت کر کے قادیان میں بیٹھ گئے۔ اور پھر کبھی قادیان سے بھیرہ جانے کا خیال بھی نہ کیا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمانے سے ایک بیوی کو بھیرہ سے یہاں بُلوا لیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد دوسری بیوی کو بھی بُلا لیا۔ پھر یہاں زمین خرید کر کچی دیواروں کے مکان بنوا لئے۔ اور ہجرت میں ایسے پختہ ہو کر بیٹھے۔ کہ "قطب از جا نجنبد" کی مثال گویا آپ ہی پر بنائی گئی تھی۔ آپ حقیقی معنوں میں ایک ولی اللہ اور قطب تھے*

قادیان میں آپکے مشاغل

قادیان میں آپکی اقامت کا زمانہ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حصہ اول ابتدائے ہجرت سے لیکر تا وصال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قریباً پندرہ سال اور حصہ دوم آپ کا زمانۂ خلافت چھ سال۔ پہلے زمانہ میں آپ صبح سویرے بیماروں کو دیکھتے تھے۔ اس کے بعد طالب علموں کو درس حدیث و طبی کتب دیتے تھے۔ مثنوی شریف اور حضرت مسیح موعود کی کتب کا درس بھی گاہے دیتے تھے۔ اور بعد نماز عصر روزانہ درس قرآن شریف دیا کرتے تھے۔ مہمانوں کی امانتیں اپنے پاس رکھتے تھے۔ غرباء کی امداد کا خیال رکھتے تھے۔ اور تمام احمدی برادران کو اچھے کاموں کے کرنے اور بدیوں سے بچنے کی نصیحت کرتے رہتے تھے اور باہر سے آنے والے خطوط کا جو متعلق مسائل دینیہ و طبیہ ہوتے تھے۔ جواب لکھتے۔ اور لکھاتے رہتے تھے۔ آپکی عادت تھی۔ کہ صبح سے شام تک بلکہ اکثر عشاء تک سوائے نمازوں کے اوقات کے ایک ہی جگہ اپنی نشست گاہ میں بیٹھے رہتے تھے۔ جس میں صرف چٹائی بچھی ہوتی تھی۔ اور آپ کے واسطے کوئی الگ مسند نہ ہوتی تھی۔ ہر طرح کے حاجتمند آتے تھے اور آپ سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ایک کھلا دربار ہوتا تھا۔ جسپر کبھی کوئی دربان مقرر نہ ہوا۔ اندرونہ زمانہ میں عموماً صبح کے وقت آپ عورتوں میں بھی درس قرآن شریف دیا کرتے تھے۔ جبتک آپکے شاگرد رشید اور رفیق و انیس حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب زندہ رہے وہ مسجد مبارک میں پنجوقت نماز اور جمعہ کی امامت کراتے تھے۔ اور مسجد اقصیٰ میں نماز جمعہ آپ پڑھاتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد آپ پانچ نمازیں اور جمعہ ان مساجد میں پڑھاتے رہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لیجا سکتے

تھے۔ اور عموماً سب نمازیں مسجد مبارک میں ہُوا کرتی تھیں۔ آپکی عادت باہر سیر کے واسطے جانے کی نہ تھی۔ لیکن گاہے حضرت مسیح موعود آپکو اپنے ساتھ سیر کے واسطے باہر لیجایا کرتے تھے۔ جب قادیان میں کالج قائم ہُوا۔ تو آپ اس میں عربی پڑھاتے رہے صدر انجمن احمدیہ کے آپ پریذیڈنٹ تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایکدفعہ فرمایا تھا۔ کہ مولوی صاحب کی ایک رائے انجمن میں سو رائے کے برابر سمجھنی چاہیئے ؛

تصنیف! چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر تصنیف کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ لہذا حضور کا ادب کرتے ہوئے آپ تصنیف کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے حکم سے آپ نے صرف ایک کتاب تصنیف کی۔ جو ایک آریہ دھرمپال نام کی کتاب ترک اسلام کے جواب میں تھی۔ یہ کتاب آپ نے تصنیف کی۔ اور اس کا مسودہ عاجز راقم نے ایک ایک باب کر کے حضرت مسیح موعودؑ کو شام کی مجلس میں سُنایا اور حضرت مسیح موعودؑ نے ہی اس کتاب کا نام نورالدین رکھا۔ اس کتاب کے چھاپنے اور شائع کرنے کا کام آپکے قدیمی دوست اور مخلص صادق حضرت مولوی حکیم حاجی حافظ فضل الدین صاحب مرحوم نے کیا تھا۔ زمانۂ خلافت میں آپ نے کوئی تصنیف نہیں کی ؛

گذارے کی صورت قادیان میں آپ کے گذارے کی صورت بظاہر طب کے سوائے اور کچھ نہ تھی۔ مگر آپ کے خانگی اخراجات۔ مہمان نوازی۔ یتامیٰ و مساکین کی پرورش۔ دینی چندوں میں سب سے بڑھ کر حصّہ لینا۔ ان سب پر ایک معقول رقم خرچ ہوتی تھی۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ رقوم کہاں سے آتی تھیں۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالٰے اپنے فضل سے میری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور مجھے رزق من حیث لا یحتسب عطا کرتا رہتا ہے۔ کبھی آپ کی

کوئی ایسی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ جو پوری نہ ہوجائے اور غیب سے اسکے واسطے سامان بن نہ جائے ؎

آپ کے سفر اپنے وطن بھیرہ سے ہجرت کرکے قادیان آجانے کے بعد آپ نے کوئی سفر بغیر حکم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں کیا۔ آپ کے سفر درج ذیل ہیں:۔

(۱) ریاست جموں کے بعض اراکین نے باصرار آپ کو چند روز کے واسطے جموں بُلایا۔ اور وہاں مہاراجہ صاحب نے آپ سے خواہش کی۔ کہ پھر ریاست میں ملازمت کرلیں۔ مگر چونکہ اس امر کے واسطے حضرت مسیح موعودؑ سے کوئی اجازت نہ تھی۔ اس واسطے آپ انکار کرکے واپس چلے آئے۔ عاجز اُن ایام میں ریاست جموں میں ملازم تھا ؎

(۲) ریاست بہاولپور کے نواب صاحب نے ایک دفعہ آپ کو اپنے علاج کے واسطے بُلایا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے اس غرض کے واسطے نواب صاحب کے آدمیوں نے اجازت حاصل کی۔ کچھ دن نواب صاحب کا علاج کرکے آپ واپس آگئے ؎

(۳) حضرت نواب محمد علی خان صاحب احمدی رئیس مالیر کوٹلہ کی درخواست پر حضرت مسیح موعودؑ نے درس قرآن وحدیث دینے کے واسطے مالیر کوٹلہ بھیجا اور ایک سال سے کچھ زائد عرصہ آپ کا وہاں قیام رہا ؎

(۴) آریاؤں کے ایک جلسہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک مضمون پڑھنے کے واسطے آپ لاہور تشریف لے گئے۔ یہ وہی مضمون ہے۔ جو کتاب چشمہ معرفت میں ہے ؎

(۵) زمانہ خلافت میں ایک دفعہ آپ کو ایک مقدمہ کی شہادت کے واسطے مُلتان جانا پڑا۔ وہاں سے واپسی پر لاہور میں آپ کا ایک لیکچر ہوا ؎

(۶) شیخ رحمت اللہ صاحب احمدی مرحوم کے مکان اور دُکان کی بُنیادی اینٹ رکھنے کے واسطے آپ لاہور تشریف لے گئے ؎۱

عہدِ خلافت

قادیان میں آپ کی زندگی کا دوسرا دَور حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد شروع ہوا۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے تمام جماعت کے دل میں یہ بات ڈالی۔ کہ اب مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک خلیفہ ہونا چاہیئے۔ جو حضرت مسیح موعودؑ کا جانشین ہوکر تمام جماعت کا امام مطاع ہو۔ اور سب کی نگاہیں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی طرف تھیں۔ کہ وہی مسند خلافت کے اہل ہیں۔ اور انہیں سے درخواست کرنی چاہیئے کہ وہ اس عہدہ کو قبول فرماویں پس خواجہ کمال الدین صاحب اور دیگر اصحاب حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا۔ کہ حضرت مولوی صاحب کو خلیفہ بنایا جائے۔ مَیں پاس تھا۔ جب حضرت مولوی صاحب کو یہ پیغام پہنچایا گیا۔ اسوقت آپ نے ایک لوٹا پانی کا منگوایا۔ اور وضو کیا۔ اور نواب صاحب کے اس مکان میں جہاں آجکل لائبریری ہے اور حضرت فاضل مولٰنا مولوی شیر علی صاحب کے دفتر کا کمرہ ہے۔ یہاں آپ نے علیحدگی میں نماز پڑھی۔ اور سجدہ میں گر کر بہت روئے۔ اسکے بعد سب لوگ باغ میں جمع ہوئے۔ جہاں حضرت مسیح موعودؑ کا جسد مبارک چارپائی پر رکھا تھا۔ وہاں ایک تحریر جس میں آپکی خدمت میں یہ درخواست تھی۔ کہ عہدہ خلافت کو قبول کریں۔ اور کہ ہم سب آپکی اسی طرح اطاعت کرینگے جس طرح حضرت مسیح موعودؑ کی اطاعت کرتے تھے۔ اسپر ممبران انجمن اور دیگر اکابران کے دستخط ثبت ہوچکے تھے۔ عاجز راقم نے پڑھ کر سنائی۔ اسکے بعد حضرت مولوی صاحب نے ایک تقریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں تو چاہتا تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اولاد میں سے یا کسی اور بزرگ کو خلیفہ بنایا جاتا۔ مَیں تیار ہوں۔ کہ اگر حفیظہ بیگم (حضرت مسیح موعود کی سب سے چھوٹی صاحبزادی

؎۱ جب حضرت مسیح موعودؑ ۱۹۰۵ء میں دہلی تشریف لے گئے تھے تو حضرت مولٰنا کو بھی چند روز بعد وہاں بُلا لیا تھا۔ اسی طرح اس سفر میں بھی لاہور ہمراہ تھے جس سفر میں حضور علیہ السلام نے وفات پائی ۔

جسکی عمر اُسوقت قریباً چار سال تھی) کو خلیفہ بنایا جائے۔ تو اسکے ہاتھ پر بیعت کرو۔ تم مجھے خلیفہ بنانا چاہتے ہو۔ تو تم کو میری اطاعت کرنی ہوگی۔ اسپر سب نے کہا کہ ہم اطاعت کرینگے۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور بیعت شروع ہوئی۔ سب حاضرین نے بیعت کی۔ دُعا ہوئی۔ اور اسکے بعد آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ پڑھایا۔ وہ تحریر جو مینے پڑھی۔ اور آپکی تقریر ہر دو اخبار بدر میں شائع ہوئی تھیں۔ ابتدائے ایام خلافت میں آپ اکثر وقت اندر خلوت میں رہتے دُعاؤں میں بہت مصروف رہتے۔ دُعا کے واسطے آپ کیلئے ایک علیحدہ کمرہ بنوا دیا گیا تھا۔ فرمایا کرتے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرے کندھوں پر ایک بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا گیا ہے۔ جس سے میں دبا جاتا ہوں۔ اسوقت آپکی دینی نشست گاہ مسجد مبارک میں ہوتی تھی۔ مگر چونکہ بیمار بھی آپکی توجہ کے محتاج ہوتے تھے۔ اور بیماروں کا مسجد میں جمع ہونا مناسب نہ تھا۔ اسواسطے آپ نے کچھ عرصہ کے بعد پھر اپنے مطب میں بدستور بیٹھنا شروع کر دیا +

آپکے شاگرد قرآن و حدیث اور طب پڑھنے والے آپ کے شاگرد صدہا بلکہ ہزارہا ہیں۔ کیونکہ درس قرآن میں کثرت کے ساتھ لوگ شامل ہوا کرتے تھے۔ دینی علوم میں آپ کے خاص شاگردوں میں سے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ ہیں۔ جن کو آپ نے خصوصیت کے ساتھ ترجمہ قرآن شریف۔ بخاری اور مثنوی مولانا روم پڑھائی۔ آپ کے طبی شاگردوں میں سے اس وقت قادیان میں مولوی قطب الدین صاحب مفتی فضل الرحمن صاحب اور عبدالرحمن صاحب کاغانی ہیں۔ اور مولوی غلام محمد صاحب جو ۱۹۱۵ء میں فوت ہو چکے ہیں +

آپکے رشتہ دار آپ کا فیض عام تھا۔ ہندو۔ مسلم۔ سکھ۔ عیسائی

ہزارہا آپ کے ممنونِ احسان تھے۔ اور ہیں آپ کی وفات کے دن قادیان کے بعض ہندو بھی روتے تھے۔ ہر شخص کے ساتھ آپ حسن سلوک کرتے تھے۔ مگر اپنے بھائیوں کی اولاد پر آپ بہت ہی مہربانیاں کرتے تھے۔ منجملہ آپکے بھائیوں کی اولاد کے حکیم میر احمد صاحب مہاجر قادیان میں رہتے ہیں ۔

واقعات زمانۂ خلافت

آپ کے زمانۂ خلافت کے واقعات میں سے مفصلہ ذیل خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں

(۱) محلہ دار العلوم کی زمین خرید کی گئی۔ (۲) مدرسہ تعلیم الاسلام و بورڈنگ ہوس کی شاندار عمارتیں تیار ہوئیں۔ (۳) مسجد نور کی عمارت بنائی گئی۔ (۴) نور ہسپتال بنا۔ (۵) مدرسہ احمدیہ قائم ہوا۔ (۶) برہمن بڑیا کے مشہور عالم مولانا مولوی عبد الواحد صاحب سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ اور انکے ذریعہ سے صدہا لوگوں نے بیعت کی۔ (۷) اخبار نور جاری ہوا۔ (۸) اخبار الفضل جاری ہوا۔ (۹) بہت سے شہروں میں احمدیوں اور غیر احمدیوں کے درمیان مباحثات ہوئے۔ (۱۰) واعظین سلسلہ نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں تبلیغی دورے کئے۔ (۱۱) غیر احمدی ایجنٹوں نے واعظین سلسلہ کو اپنے جلسوں پر بلانا شروع کیا۔ (۱۲) لنڈن میں ایک اسلامی مشن قائم ہوا۔ جس کیلئے خواجہ کمال الدین صاحب اور چوہدری فتح محمد صاحب لنڈن پہنچے ۔

مرض الموت

جب آپ گھوڑی سے گرے۔ اور زخموں میں پیپ پڑ جانے کے سبب اپریشن ہوا۔ آپکی صحت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ خلافِ عادت سردیوں میں جرابیں پہننی شروع کیں اور ہاتھ میں لمبا عصا لیکر اسپر ٹیک لگا کر چلنے لگے۔ بالخصوص سیڑھیوں پر چڑھنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ ہر بیماری میں آپنے حضرت اولوالعزم محمود احمد کو اپنی جگہ نماز پڑھانے اور خطبہ پڑھنے کے واسطے مقرر فرمایا۔ آخری مرض جس میں آپکی وفات ہوئی۔ اس کے متعلق ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپ کو مرض

ٹیوبرکلوسس یعنی دق ہوگیا تھا۔ بخار رہتا تھا۔ اور تھوڑی کھانسی بھی تھی حضرت نواب محمد علیخان صاحب آپکو اپنی کوٹھی پر لے گئے تھے۔ اور آخر دم تک انہوں نے تیمارداری اور خدمتگذاری کا حق ادا کیا۔ اور وہیں آپکی وفات جمعہ کے دن بتاریخ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے جنازہ پڑھایا۔ اور مقبرہ بہشتی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کے متصل آپ کو دفن کیا گیا۔ اللھم نور قبرہ الیٰ یوم القیٰمۃ ◆

اولاد بوقت وفات آپ کی ایک بیوی حضرت صغریٰ بیگم صاحبہ اور انکی اولاد پانچ لڑکے اور ایک لڑکی زندہ موجود تھے۔ اور پہلی بیوی مرحومہ فاطمہ بی بی کی اولاد میں سے ایک لڑکی بی بی حفصہ مرحومہ زوجہ مفتی فضل الرحمن صاحب زندہ تھیں۔ پانچ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ عبدالحی مرحوم۔ عبدالسلام۔ عبدالوہاب۔ عبدالمنان محمد عبداللہ اور لڑکی مکرمہ بی بی امۃ الحی مرحومہ تھیں۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے نکاح میں آئیں۔ اور جن کی اولاد اسوقت دو لڑکیاں اور ایک لڑکا زندہ موجود ہیں اللہ تعالیٰ انکی عمر اور صحت اور نیکی میں برکت دے۔ لڑکوں میں سے محمد عبداللہ صاحب قریباً چھ ماہ بعد اور حضرت صاحبزادہ عبدالحی صاحب قریباً ایک سال بعد فوت ہوئے ◆

وصیتیں جہاں تک مجھے یاد ہے۔ آپ نے تین دفعہ وصیت لکھی۔ سب سے پہلی وصیت آپ نے ۱۹۰۵ء میں لکھی۔ جبکہ زلزلوں کے سلسلوں کے سبب آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام و آپ کے دیگر اصحاب کے ہمراہ حضرت صاحب کے باغ میں فروکش تھے۔ آپ بہت بیمار ہوگئے اور متواتر کئی دن باہر تشریف نہ لاسکے۔ تب آپ نے اپنی ایک وصیت لکھی جو کہ ایمان اور عقائد اور عملیات میں آپ کی عمر بھر کی تحقیقات کا خلاصہ ہے۔ وہ وصیت عاجز راقم نے اخبار بدر میں چھاپی تھی ◆

دوسری وصیت آپ نے اسوقت لکھی۔ جبکہ ابتدائے زمانۂ خلافت میں مطابق پیشگوئی فرمودہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ گھوڑے سے گر کر بیمار ہو گئے۔ اور ایک شب آپ کو خیال ہوا کہ سوجن دلکی طرف جا رہی ہے۔ تب آپ نے رات کے وقت قلم دوات طلب کی۔ اور ایک کاغذ پر صرف دو لفظ لکھے۔ خلیفہ محمود۔ اور اپنے ایک شاگرد کو وہ کاغذ دیا۔ کہ لفافہ میں بند کرکے اپنے پاس رکھو۔ یہ وصیت شائع نہ ہوئی۔ گو کئی لوگوں کو اس شاگرد کے ذریعہ سے اسکے مضمون سے آگاہی حاصل ہو گئی۔ اسکے بعد صحت ہو جانے پر آپ نے وہ لفافہ لیکر پھاڑ دیا۔ جس قلم اور دوات کے ساتھ یہ وصیت لکھی تھی۔ وہ اب تک عاجز کے پاس محفوظ ہے +

تیسری وصیت آپ نے مرض الموت میں وفات سے چند یوم قبل کی جس میں یہ تاکید کی ہے۔ کہ جو آپ کا خلیفہ ہو۔ وہ حضرت مسیح موعود کے پرانے اور نئے مریدوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرے۔ یہ وصیت آپ نے لکھوا کر مولوی محمد علی صاحب کو کہا۔ کہ دو دفعہ باآواز بلند پڑھیں۔ انکے پڑھنے کے بعد اسے حضرت نواب محمد علیخان صاحب کے سپرد کیا۔ اور اسی کے مطابق حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ کا انتخاب ہوا +

مقبرہ بہشتی کی وصایا کے ماتحت آپ نے اپنی زرعی زمین۔ جو بھیرہ میں تھی۔ اپنی زندگی میں ہی صدر انجمن احمدیہ کو ہبہ کر دی تھی۔ وہ اپنے مکانات۔ جو قادیان اور بھیرہ میں ہیں۔ اور کتب خانہ وقف علی الاولاد کر دیا تھا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وارفع درجاتہ فی جنت علیٰ۔

آمین ثم آمین

شجرۂ نسب

(منقولہ از بدر ۲۸ مارچ ۱۹۱۲ء)

حضرت خلیفۃ المسیح خلیفہ ثانی فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب حاصل کر کے ہم واقفیت عامہ کے واسطے درج اخبار کرتے ہیں آج سے ۱۳ صدیاں قبل حضرت عمرؓ خلافت نبوی کے مالک ہوئے تھے آج اُن کے ایک بیٹے کو خدا تعالیٰ نے ایک نبی کا خلیفہ اول بنا دیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ ایڈیٹر

حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت نصیر الدین

حضرت سلطان ابراہیم

حضرت عبداللہ

حضرت شیخ مسعود

امیر المومنین خلیفۃ المسیح نور الدین

عبدالمنان

عبدالوہاب

عبدالسلام

نوٹ:- ابو الفضل محمود قادیان کی مدد اشاعت کے کام میں ہمیشہ کرتے رہیں اور کچھ رقم فوری طور پر بھیجدیں۔